افکارِ مجددِ اعظم

مقامِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

از

حضرت مرزا غلام احمد مجدد صد چہاردہم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

"نوعِ انسان کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں، مگر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم، سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کیساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی، بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلّم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے۔

---- موسٰیؑ نے وہ متاع پائے جس کو قرونِ اُولیٰ کھو چکے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ متاع پائے جس کو موسٰیؑ کا سلسلہ کھو چکا تھا۔ اب محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ کا قائم مقام ہے مگر شان میں ہزارہا درجہ بڑھ کر۔

(کشتیٔ نوح صفحہ ۱۳)

ہدیۂ نعت

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است — خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است
ہیں جان و دل فدائے جمالِ محمدیؐ — میں ہوں نثار کوچۂ آلِ محمدیؐ

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش — در ہر مکاں ندائے جلالِ محمدؐ است
دنیا کی وسعتوں میں جہاں بھی نظر گئی — ہر چیز سے عیاں تھا جلالِ محمدیؐ

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم — یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است
کیوں میرے فیضِ عام سے ہم ہو رہے ہیں آپ — ہے یہ تو موجِ بحرِ کمالِ محمدیؐ

ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدیؐ است
یہ نور، آفتابِ محمدؐ کا عکس ہے

ویں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است
یہ فیضِ عام آبِ زلالِ محمدیؐ

فارسی کلام حضرت بانیٔ تحریکِ احمدیہ — منظوم ترجمہ محمد اعظم علوی

پیش گفتار

حضرت شیخ میاں فضل الرحمان صاحب مرحوم و
مغفور (ملتان) یہ کتابچہ دوسری بار شائع ہو رہا ہے
اور اس کے جملہ اخراجات انہی کے صدقہ جاریہ سے
ادا ہوئے ہیں۔
اللہ تعالیٰ جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے
(آمین)

فہرست مضامین

رسولِ کریمؐ کی بعثت سے قبل

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آمد کے متعلق کتبِ سابقہ میں پیشگوئیاں

رسول کریمؐ کے نام اور ان کی حکمت

صداقتِ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات

"ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافرِ نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحیدِ حقیقی ہم نے اس نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبیؐ کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں۔ اسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسّر آیا ہے۔ اس آفتابِ ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دو نام ہیں محمدؐ اور احمدؐ۔ اور ان دونوں ناموں میں ایک اعجازی رنگ اور منفرد کیفیّت پائی جاتی ہے جو دنیا میں کسی اور انسان کو حاصل نہیں ہوئی۔ احمد حضورؐ کا اسمِ علم ہے جسکے معنی ہیں بہت حمد کرنے والا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ جس قدر اللہ تعالےٰ کی حمد ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کی ہے اس کی کوئی اور مثال تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ آپؐ نے خدا تعالےٰ کی حمد کو کمال تک پہنچایا اور عبادتِ الٰہی جو حمدِ باری کی ظاہری شکل ہے اس کی بھی انتہا کر دی۔ آپؐ جب خدا تعالےٰ کے حضور کھڑے ہوتے تو قیام اس قدر لمبا کرتے کہ آپؐ کے پاؤں سُوج جایا کرتے اور جب کہا جاتا کہ آپؐ خدا تعالےٰ کے حبیب ہونے کے باوجود اس قدر ریاضت کیوں کرتے ہیں۔ تو آپؐ فرماتے کیا میں خُدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ پس یہ عملی طور پر بھی اور واقعہ کے رنگ میں بھی صحیح ہے کہ آپؐ سے پہلے کسی انسان کا نام احمد نہیں ہوا اور کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی اس قدر حمد نہیں کی۔ آپؐ کا دوسرا نام محمّد ہے جس کے معنی ہیں سب سے زیادہ تعریف کیا گیا۔ اور اس لحاظ سے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کو منفرد مقام حاصل ہے۔ کہ آپؐ سے زیادہ کسی اور انسان کی اس قدر تعریف نہیں کی گئی۔ خود ذاتِ باری اور اس کے فرشتے بھی آپؐ پہ درُود بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو حامد سے محمود بنایا اور جس قدر آپؐ نے ذاتِ خُداوندی کی حمد کی تھی وہ تعریف آپ کی طرف واپس لوٹائی گئی اور یُوں آپؐ احمد سے محمّد بنائے گئے اور آپؐ کا وجود قابلِ تعریف ٹھہرایا گیا۔ اور صرف آپؐ کے متبعین ہی آپؐ کی حمد نہیں کرتے بلکہ دیگر مذاہب کے اہلِ علم بھی آپؐ کی توصیف میں رطب اللّسان ہیں۔ اور تمام ہادیانِ عالم میں آپؐ کو

سب سے ممتاز اور کامیاب ترین مصلح قرار دیتے ہیں، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شانِ محمدیؐ کے اظہار کیلئے بہت سے اقوال مشہور اور زبانِ زد خاص وعام ہیں بموجب حدیثِ قدسی خود حق تعالےٰ کا ارشاد لولاک لما خلقت الافلاک شانِ محمدیؐ کا مظہر اتم ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی کی کیا شان ہوگی کہ وہ مقصودِ کائنات اور جنّ وانس کا مطلوب ٹھہرایا جائے۔ حضور نبی کریم صلعم کے متبعین نے بھی آپ سے غایت درجہ کا عشق اور والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اور بڑے پیارے رنگ میں آپؐ کی مدح سرائی کی اور آپؐ کی شان میں نعتیہ قصائد لکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت مجدّد صد چہار دہم نے آپؐ کی شان اور مرتبہ کا اظہار اور خدا تعالےٰ کا محبوب ہونے کا ذکر یُوں فرمایا ہے:۔ ؎

شانِ احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم	آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم
آں نمط شد محو دلبر کز کمال اتحّاد	پیکرِ او شد سراسر صُورتِ ربّ رحیم

اور شیخ سعدیؒ نے تو یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ ع:۔ "بعد از خُدا بزرگ توئی قصّہ مختصر!" یہ آپ کی مدح کا کمال ہے کہ اللہ تعالےٰ کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی نثر اور نظم میں لاکھوں صفحات آپ کے محامد پر محیط ہیں۔ اور سب سے بڑی شان آپ کی یہ ہے کہ اب آسمان کے نیچے بجز آپ کے کوئی نبی اور رسول نہیں اور بجز آپؐ کی پیروی کے کوئی خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نجات صرف اسی رسول کا دامن پکڑنے سے حاصل ہوتی ہے۔ نبوّت اس پر ختم ہوگئی۔ دین اس کی بعثت سے کامل ہوا اور خدا تعالیٰ کی نعمتیں اس پر تمام ہوئیں۔ البتہ انوارِ نبوّت کے پھیلانے اور دینِ اسلام کو دیگر ادیان پر غالب کرنے اور امّتِ مسلمہ کی اصلاح اور وقتی کمزوریوں کو دُور کرنے کے لئے اس نبیٔ کامل کے متبعین میں سے اللہ تعالےٰ ہر سو سال کے بعد ایک مجدّد کو مبعوث کرتا رہے گا جو نبیٔ متبوع کی حیاتِ طیّبہ، اسوۂ حسنہ، سیرت واخلاق اور معارفِ قرآنی کے ذریعہ دین کی تجدید کرتا رہے گا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق امّتِ مرحومہ کی رہنمائی فرمائے گا۔

چودھویں صدی کے مجدّد کو بھی زمرۂ مجدّدین میں امتیازی حیثیت اور خصوصی مقام حاصل ہے

اِس لئے کہ اس دور کے تقاضے پہلے زمانوں سے مختلف تھے۔ اس صدی میں اسلام پر بڑی سخت یلغار ہوئی اور دشمنانِ دین نے چاروں طرف سے اس پر حملہ کیا اور سب سے سخت تر حملہ مادیت، دہریت نئی روشنی اور ترقی علوم کا تھا لیکن اس مجدّدِ کامل نے ہر پہلو سے اسلام کی برتری کو ثابت کیا اور زمانۂ حال کے جملہ علوم پر قرآنی صداقتوں کی فوقیت ظاہر کی۔ اور حضور نبی کریم صلعم کی ذاتِ اقدس پر اعتراض کرنے والوں کو دندان شکن جواب دیئے اور آپ کے چہرۂ پُرنور سے تمام داغ دھبّے جو معترضین کے باطل اعتراضات کی صورت میں نظر آتے تھے دُور کر کے آپؐ کے حُسن کو دو بالا کیا۔ اور تمام دُنیا کے فلسفیوں اور سائنسدانوں کا سر محمّد صلعم کے حضور جھکا دیا اور لیظھرہٗ علی الدین کلّہٖ کی بشارت کو سچ کر دکھایا:۔

یہ رسالہ "مقامِ محمّد مُصطفٰے" حضرت مجدّد زمان کے ان رشحاتِ قلم پر مشتمل ہے جن میں حضرت خاتم النبیّین، افضل الرسل، فخر موجودات، سردار دو عالم حضرت محمّد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ، اخلاقِ عالیہ، تعلیماتِ اسلامی، حضورؐ کی قوتِ قدسی، معجزات، روحانی برکات، شفاعت کا ثبوت، دُعا کا اثر اور دیگر کمالات پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ یہی وقت کا تقاضا تھا اور یہی اس مجدّد کے آنے کی غرض تھی اور یہی ان کی زندگی کا مشن تھا۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:۔

زعشاقِ فرقان و پیغمبریم   بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

اور تمام مخالفتوں، ایذا رسانی اور فتاوٰی کفر کے جواب میں آپ نے فرمایا:۔

بعد از خُدا بعشقِ محمّد مخمّرم   گر کفر ایں بود بخُدا سخت کافرم

پس اس مصلحِ اعظم کی گراں قدر خدماتِ اسلامی سے عامۃ المسلمین اور ہر مکتبِ فکر کے اصحاب کو روشناس کرانے کے لئے حضرتِ اقدسؑ کی تحریرات میں سے

"انتخابِ افکارِ مجدّدِ اعظم"

کے نام سے یہ سلسلہ شروع کیا گیا تھا جس کی تحریک ہماری جماعت کے نہایت ہی محترم

اور مخیر بزرگ الحاج شیخ میاں فضل الرحمٰن صاحب (ملتان) نے فرمائی تھی اور پورے سلسلۂ اشاعت کے تمام اخراجات برداشت کرنے کی پیشکش بھی کی تھی۔ حضرت میاں صاحب مرحوم و مغفور نے دسمبر ۱۹۷۰ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور جولائی ۱۹۷۱ء میں یہ کتابچہ پہلی بار طبع ہوا اور اب بار دوم قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے محرک اور معطی کی روح پر اپنی برکات نازل فرمائے اور اسے لوگوں کے فائدہ اور رہنمائی کا موجب بنائے۔ آمین! والسلام

مسعود بیگ مرزا

۱۹/اپریل ۱۹۸۰ء

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
"دارالسلام" ۵ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسولِ کریمؐ کی بعثت سے قبل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں کیا تبدیلی پیدا کی؟

خدا مسلمانوں کو یہ اخلاق سکھلاتا ہے کہ بتوں کی بدگوئی سے بھی اپنی زبان بند رکھو۔ اور صرف نرمی سے سمجھاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ مشتعل ہو کر خدا کو گالیاں نکالیں اور ان گالیوں کے تم باعث ٹھہر جاؤ۔ پس ان لوگوں کا کیا حال ہے۔ جو اسلام کے اس عظیم الشان نبیؐ کو گالیاں دیتے اور توہین کے الفاظ سے اس کو یاد کرتے اور وحشیانہ طریقوں سے اس کی عزّت اور چال چلن پر حملہ کرتے ہیں۔ وہ بزرگ نبیؐ جس کا نام لینے سے اسلام کے عظیم الشان بادشاہ تخت سے اُترتے ہیں اور اس کے احکام کے آگے سر جھکاتے اور اپنے تئیں اس کے ادنےٰ غلاموں سے شمار کرتے ہیں۔ کیا یہ عزّت خدا کی طرف سے نہیں۔ خداداد عزّت کے مقابل پر تحقیر کرنا ان لوگوں کا کام ہے۔ جو خدا سے لڑنا چاہتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وہ برگزیدہ رسول ہیں۔ جن کی تائید اور عزّت ظاہر کرنے کے لئے خدا نے دنیا کو بڑے بڑے نمونے دکھائے ہیں۔ کیا یہ خدا کے ہاتھ کا کام نہیں۔ جس نے بتیس کروڑ انسانوں کا محمدی درگاہ پر سر جھکا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک نبی اپنی نبوّت کی سچائی کے لئے کچھ ثبوت رکھتا تھا۔ لیکن جس قدر ثبوت آنجنابؐ کی نبوت

کے بارے میں ہیں جو آج تک ظاہر ہو رہے ہیں۔ ان کی نظیر کسی نبی میں نہیں پائی جاتی۔

آپ لوگ اس دلیل کو نہیں سمجھ سکتے! کہ جب زمین گناہ اور پاپ سے پلید ہو جاتی ہے اور خُدا کے ترازو میں بدکاریاں اور بدچلنیاں اور بے باکیاں نیک کاموں سے بہت بڑھ جاتی ہیں تب خُدا کی رحمت تقاضا کرتی ہے کہ ایسے وقت میں کسی اپنے بندے کو بھیج کر زمین کے فسادوں کی اِصلاح کی جائے۔ بیماری طبیب کو چاہتی ہے اور آپ لوگ اس بات کو سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ استعداد رکھتے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ بقول آپ صاحبوں کے وید ایسے وقت میں نہیں آیا جب کہ گناہ کا طوفان برپا تھا۔ بلکہ ایسے وقت آیا جب کہ زمین پر کوئی گناہ کا سیلاب نہ تھا تو کیا آپ صاحبوں کی نظر میں یہ بات قیاس سے دُور ہے کہ ایسے وقت میں کوئی نبی ظاہر ہو جب کہ گناہ کا تُند سیلاب ہر ایک ملک میں اپنی تیز رفتار کے ساتھ جاری ہو:۔

میں نہیں اُمید رکھتا کہ آپ لوگ اس تاریخی واقعہ سے بے خبر ہوں گے کہ جب ہمارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسندِ رسالت کو اپنے وجود سے عزت دی تو وہ زمانہ ایک ایسا تاریک زمانہ تھا کہ کوئی پہلو دنیا کی آبادی کا بدچلنی اور بدعقیدگی سے خالی نہ تھا اور جیسا کہ پنڈت دیانند صاحب اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس ملک آریہ ورت میں بھی بُت پرستی نے خُدا پرستی کی جگہ لے لی تھی اور ویدک مذہب میں بہت سا بگاڑ ہو گیا تھا۔

ایسا ہی پادری فنڈل صاحب مصنّف میزان الحق جو عیسائی مذہب کا سخت حامی ایک یورپین انگریز ہے وہ اپنی کتاب میزان الحق میں لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وقت میں سب قوموں سے زیادہ بگڑی ہوئی عیسائی قوم تھی اور ان کی بدچلنیاں عیسائی مذہب کی عار اور ننگ کا موجب تھیں اور خود قرآن شریف بھی اپنے نزول کی ضرورت کے لئے یہ آیت پیش کرتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ. یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ کوئی قوم خواہ وحشیانہ حالت رکھتی ہے خواہ

عقلمندی کا دعویٰ کرتی ہے فساد سے خالی نہیں۔

اب جبکہ تمام شہادتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کے لوگ کیا مشرقی اور کیا مغربی اور کیا آریہ ورت کے رہنے والے اور کیا عرب کے ریگستان کے باشندے اور کیا جزیروں میں اپنی سکونت رکھنے والے سب کے سب بگڑ گئے تھے اور ایک بھی نہیں تھا جس کا خُدا کے ساتھ تعلق صاف ہو۔ اور بدعملیوں نے زمین کو ناپاک کر رکھا تھا تو کیا ایک عقلمند کو یہ بات سمجھ نہیں آسکتی کہ یہ وہی وقت اور وہی زمانہ تھا۔ جس کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہے کہ ایسے تاریک زمانہ میں ضرور کوئی عظیم الشان نبی آنا چاہیئے تھا۔

رہا یہ سوال کہ اس نبی نے دنیا میں آکر کیا اصلاح کی اس سوال کا جواب جیسا کہ ایک مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اصلاح کے بارے میں دے سکتا ہے۔ میں زور سے کہتا ہوں کہ ایسا صاف اور مدلّل جواب نہ کوئی عیسائی دے سکتا ہے اور نہ کوئی یہودی اور نہ کوئی آریہ ؏

پہلا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب کی اصلاح تھی اور عرب کا ملک اس زمانہ میں ایسی حالت میں تھا کہ بمشکل کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان تھے۔ کون سی بدی تھی جو اُن میں نہ تھی اور کون سا شرک تھا جو ان میں رائج نہ تھا۔ چوری کرنا۔ ڈاکہ مارنا ان کا کام تھا اور ناحق کا خُون کرنا اِن کے نزدیک ایک ایسا معمولی کام تھا جیسا کہ ایک چیونٹی کو پیروں کے نیچے کچل دیا جائے۔ یتیم بچّوں کو قتل کرکے اُن کا مال کھا لیتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ بگور کرتے تھے۔ زناکاری کے ساتھ فخر کرتے اور علانیہ اپنے قصیدوں میں ان گندی باتوں کا ذکر کرتے تھے۔ شراب خوری اس قوم میں اس کثرت سے تھی کہ کوئی گھر بھی شراب سے خالی نہ تھا۔ اور قماربازی میں سب ملکوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ حیوانوں کی عار تھی اور سانپوں اور بھیڑیوں کی ننگ ؏

پھر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ان کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے

اور اپنی باطنی توجہ سے ان کے دلوں کو صاف کرنا چاہا تو ان میں تھوڑے ہی دنوں میں ایسی تبدیلی پیدا ہوگئی کہ وہ وحشیانہ حالت سے انسان بنے۔ اور پھر انسان سے مہذب انسان اور مہذب انسان سے باخدا انسان۔ اور آخر خدا تعالےٰ کی محبّت میں ایسے محو ہو گئے کہ اُنہوں نے ایک بے حس عضو کی طرح ہر ایک دُکھ کو برداشت کیا۔ وہ انواع اقسام کی تکالیف سے عذاب دئے گئے اور سخت بیدردی سے تازیانوں سے مارے گئے اور جلتی ہوئی ریت میں لٹائے گئے اور قید کئے گئے اور بھوکے اور پیاسے رکھ کر ہلاکت تک پہنچائے گئے مگر انہوں نے ہر ایک مصیبت کے وقت آگے قدم رکھا اور بہتیرے ان میں ایسے تھے کہ اُن کے سامنے ان کے بچے قتل کئے گئے اور بہتیرے ایسے تھے کہ بچوں کے سامنے وہ سُولی دیئے گئے۔ اور جس صدق سے انہوں نے خُدا کی راہ میں جانیں دیں۔ اس کا تصوّر کر کے رونا آتا ہے۔ اگر ان کے دلوں پر یہ خُدا کا تصرّف اور اس کے نبی کی توجہ کا اثر نہ تھا تو پھر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو اسلام کی طرف کھینچ لیا اور ایک فوق العادت تبدیلی پیدا کر کے ان کو ایسے شخص کے آستانہ پر گرنے کی رغبت دی کہ جو بیکس اور مسکین اور بے زری کی حالت میں مکّہ کی گلیوں میں اکیلا اور تنہا پھرتا تھا۔ آخر کوئی رُوحانی طاقت تھی جو ان کو سفلی مقام سے اٹھا کر اُوپر کو لے گئی۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اکثر اُن کے ان کی کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے جانی دشمن اور آنجنابؐ کے خُون کے پیاسے تھے۔ پس میں تو اس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہیں سمجھتا کہ کیونکر ایک غریب مفلس، تنہا، بیکس نے ان کے دلوں کو ہر ایک کینہ سے پاک کر کے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ وہ فخریہ لباس پھینک کر اور ٹاٹ پہن کر خدمت میں حاضر ہو گئے ؛

پیغام صُلح صـ ۱۶ - ۱۹

٭ ٭ ٭

دُنیا کی حالت آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت اور آپؐ کی رحلت کے وقت

عقل سلیم ایک سچی کتاب اور ایک سچے او رمنجانب اللہ رسول کے ماننے کے لئے اس بات کو نہایت بزرگ دلیل ٹھہراتی ہے کہ ان کا ظہور ایک ایسے وقت میں ہو جبکہ زمانہ تاریکی میں پڑا ہوا ہو اور لوگوں نے توحید کی جگہ شرک اور پاکیزگی کی جگہ فسق اور انصاف کی جگہ ظلم اور علم کی جگہ جہل اختیار کر لیا ہو اور ایک مصلح کی اشد ضرورت ہو اور پھر ایسے وقت میں وہ رسول دُنیا سے رخصت ہو جبکہ وہ اصلاح کا کام عمدہ طور سے کر چکا ہو اور جب تک اس نے اصلاح نہ کی ہو دشمنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو۔ اور نوکروں کی طرح حکم سے آیا ہو اور حکم سے واپس گیا ہو غرض کہ وہ ایسے وقت میں ظاہر ہو جبکہ وہ وقت بزبان حال پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ ایک آسمانی مصلح اور کتاب کا آنا ضروری ہے اور پھر ایسے وقت میں الہامی پیشگوئی کے ذریعہ سے واپس بلایا جائے کہ جب اصلاح کے پودا کو مستحکم کر چکا ہو اور ایک عظیم الشان انقلاب ظہور میں آچکا ہو ؛

اب ہم اس بات کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ یہ دلیل جس طرح قرآن اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت روشن چہرہ کے ساتھ جلوہ نما ہوئی ہے کسی اور نبی اور کتاب کے حق میں ہرگز ظاہر نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دعوٰی تھا کہ میں تمام قوموں کے لئے آیا ہوں۔ سو قرآن شریف نے تمام قوموں کو ملزم کیا ہے کہ وہ طرح طرح کے شرک اور فسق وفجور میں مُبتلا ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے :- ظَھَرَ الفَسَادُ فِی البَرِّ والبَحرِ۔ یعنی دریا بھی بگڑ گئے اور جنگل بھی بگڑ گئے اور پھر فرماتا ہے :- لِیَکُونَ لِلعَالَمِینَ نَذِیرًا یعنی ہم نے تجھے بھیجا

تا کہ دنیا کی تمام قوموں کو ڈرا دے یعنی ان کو متنبہ کرے کہ وہ خدا تعالےٰ کے حضور میں اپنی بدکاریوں اور عقیدوں کی وجہ سے سخت گنہ گار ٹھہری ہیں؛

یاد رہے کہ جو اس آیت میں نذیر کا لفظ دُنیا کے تمام فرقوں کے مقابل پر استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی گنہگاروں اور بدکاروں کو ڈرانا ہے۔ اسی لفظ سے یقینی سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کا یہ دعوٰی تھا کہ تمام دُنیا بگڑ گئی اور ہر ایک نے سچائی اور نیک بختی کا طریق چھوڑ دیا کیونکہ انذار کا محل فاسق اور مشرک اور بدکار ہی ہیں۔ اور انذار اور ڈرانا مُجرموں کی ہی تنبیہہ کے لئے ہوتا ہے نہ نیک بختوں کے لئے۔ اس بات کو ہر یک جانتا ہے کہ ہمیشہ سرکشوں اور بے ایمانوں کو ہی ڈرایا جاتا ہے اور سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ نبی نیکوں کے لئے بشیر ہوتے ہیں اور بدوں کے لئے نذیر۔ پھر جب کہ ایک نبی تمام دُنیا کے لئے نذیر ہوا تو ماننا پڑا کہ تمام دُنیا کو نبی کی وحی نے بداعمالیوں میں مُبتلا قرار دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا دعوٰے ہے کہ نہ توریت نے موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا اور نہ انجیل نے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی نسبت بلکہ صرف قرآن شریف نے کیا ہے

اور پھر فرمایا کنتم علی شفا حفرۃ من النار یعنی تم اس نبی کے آنے سے پہلے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے اور عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی متنبہ کیا کہ تم نے اپنے دجل سے خدا کی کتابوں کو بدل دیا اور تم ہر یک شرارت اور بدکاری میں تمام قوموں کے پیشرو ہو۔ اور بُت پرستوں کو جا بجا ملزم کیا کہ تم پتھروں اور انسانوں اور ستاروں اور عناصر کی پرستش کرتے ہو اور خالقِ حقیقی کو بھول گئے ہو۔ اور تم یتیموں کا مال کھاتے اور بچّوں کو قتل کرتے اور شرکاء پر ظلم کرتے ہو اور ہر یک بات میں حدِ اعتدال سے گزر گئے ہو۔ اور فرمایا:۔ اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتہا۔ یعنی یہ بات تمہیں معلوم رہے کہ زمین سب کی سب مر گئی تھی اب اس کو خُدا نئے سرے سے اس کو زندہ کرتا ہے۔ غرض تمام دُنیا کو قرآن نے شرک اور فسق اور بُت پرستی کے الزام سے ملزم کیا جو اُمّ الخبائث ہیں اور عیسائیوں

اور یہودیوں کو دنیا کی تمام بدکاریوں کی جڑ ٹھہرایا اور ہر ایک قسم کی بدکاریاں ان کی بیان کر دیں۔ اور ایک ایسا نقشہ کھینچ کر زمانہ موجودہ کا اعمال نامہ دکھلا دیا کہ جب سے دنیا کی بنا پڑی ہے۔ بجز نوحؑ کے زمانہ کے اور کوئی زمانہ اس زمانہ سے مشابہ نظر نہیں آتا اور ہم نے اس جگہ جس قدر آیات لکھ دی ہیں وہ اتمام حجت کے لئے اوّل درجہ پر کام دیتی ہیں لہٰذا ہم نے طول کے خوف سے تمام آیات کو نہیں لکھا۔ ناظرین کو چاہیئے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھیں تا انہیں معلوم ہو کہ کس شدّ و مدّ اور کس قدر مؤثر کلام سے جا بجا قرآن شریف بیان کر رہا ہے۔ کہ تمام دُنیا بگڑ گئی۔ تمام دُنیا مر گئی۔ اور لوگ دوزخ کے گڑھے کے قریب پہنچ گئے اور کیسے بار بار کہتا ہے کہ تمام دُنیا کو ڈرا کہ وہ خطرناک حالت میں پڑی ہے۔ یقیناً قرآن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرک اور فسق اور بُت پرستی اور طرح طرح کے گناہوں میں سڑ گئی اور بدکاریوں کے عمیق کنوئیں میں ڈوب گئی ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ انجیل میں بھی کسی قدر یہودیوں کی بدچلنیوں کا ذکر ہے لیکن مسیحؑ نے کہیں یہ ذکر تو نہیں کیا کہ جس قدر دُنیا کے صفحہ میں لوگ موجود ہیں جن کو عالمین کے نام سے نامزد کر سکتے ہیں کہ وہ بگڑ گئے، مر گئے اور دُنیا شرک اور بدکاریوں سے بھر گئی اور نہ رسالت کا عام دعوٰی کیا۔ پس ظاہر ہے کہ یہودی ایک تھوڑی سی قوم تھی جو مسیحؑ کے مخاطب تھی بلکہ وہی تھی جو مسیحؑ کی نظر کے سامنے اور چند دیہات کے باشندے تھے لیکن قرآن کریم نے تو تمام زمین کے مر جانے کا ذکر کیا ہے اور تمام قوموں کی بُری حالت کو وہ بتلاتا ہے۔ کہ زمین ہر قسم کے گناہ سے مر گئی۔ یہودی تو نبیوں کی اولاد اور توریت کو اپنے اقرار سے مانتے تھے گو عمل سے قاصر تھے۔ لیکن قرآن کے زمانہ میں علاوہ فسق و فجور کے عقائد میں بھی فتور ہو گیا تھا۔ ہزارہا لوگ دہریہ تھے۔ ہزارہا وحی اور الہام سے منکر تھے اور ہر قسم کی بدکاریاں زمین پر پھیل گئی تھیں۔ اور دُنیا میں اعتقادی اور عملی خرابیوں کا ایک طوفان برپا تھا۔ ماسوا اس کے مسیحؑ نے اپنی چھوٹی سی قوم یہودیوں کی بدچلنی کا کچھ تو ذکر کیا جس سے البتہ یہ خیال پیدا

ہوا کہ اس وقت یہود کی ایک خاص قوم کو ایک مصلح کی ضرورت تھی مگر جس دلیل کو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے کے بارے میں بیان کرتے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فسادِ عام کے وقت میں آنا اور کامل اصلاح کے بعد واپس بلائے جانا اور ان دونوں پہلوؤں کا قرآن شریف کا آپ پیش کرنا اور آپؐ کا دنیا کو اس کی طرف توجہ دلانا یہ ایک ایسا امر ہے کہ انجیل تو کیا بجز قرآن شریف کسی پہلی کتاب میں بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن شریف نے آپ یہ دلائل پیش کئے ہیں اور آپ فرما دیا ہے کہ اس کی سچائی ان دو پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتی ہے۔ یعنی ایک تو وہی جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایسے زمانہ میں ظہور فرمایا جب کہ زمانہ میں عام طور پر طرح طرح کی بدکاریاں، بداعتقادیاں پھیل گئی تھیں اور دنیا حق اور حقیقت اور توحید اور پاکیزگی سے بہت دور جا پڑی تھی اور قرآن شریف کے اس قول کی اسوقت تصدیق ہوتی ہے جب کہ ہر ایک قوم کی تاریخ اس زمانہ کے متعلق پڑھی جائے کیونکہ ہر ایک قوم کے اقرار سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ درحقیقت وہ ایسا پُرظلمت زمانہ تھا کہ ہر ایک قوم مخلوق پرستی کی طرف جھک گئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب قرآن نے تمام قوموں کو گمراہ اور بدکار قرار دیا تو کوئی اپنا بَری ہونا ثابت نہ کر سکا۔ دیکھو اللہ تعالےٰ کیسے زور سے اہلِ کتاب کی بدیوں اور تمام دُنیا کے مرجانے کا ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

(سُورۃ الحدید جزو ۲۷ رکوع ۱۷)

یعنی مومنوں کو چاہیئے کہ اہلِ کتاب کے چال وچلن سے پرہیز کریں۔ ان کو اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پس ان پر ایک زمانہ گذر گیا۔ سو اُن کے دِل سخت ہو گئے

اور اکثر ان میں سے فاسق اور بدکار ہی ہیں۔ یہ بات بھی جانو کہ زمین مرگئی تھی اور اب خدا نئے سرے سے زمین کو زندہ کر رہا ہے۔ یہ قرآن کی ضرورت اور سچائی کے نشان ہیں جو اس لئے بیان کئے گئے تاکہ تم نشانوں کو دریافت کر لو۔"

اب سوچ کر دیکھو کہ یہ دلیل جو تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے یہ ہم نے اپنے ذہن سے ایجاد نہیں کی بلکہ قرآن آپ ہی اس کو پیش کرتا ہے۔ اور دلیل کے دونوں حصّے بیان کر کے پھر آپ ہی فرماتا ہے:۔ قد بينا لكم الآيات لعلكم تعقلون یعنی اس رسولؐ اور اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے پر یہ بھی ایک نشان ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا تاکہ تم سوچو اور سمجھو اور حقیقت تک پہنچ جاؤ۔

دوسرا پہلو اس دلیل کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں دُنیا سے اپنے مولا کی طرف بلائے گئے جب کہ وہ اپنے کام کو پورے طور پر انجام دے چکے اور یہ امر قرآن شریف سے بخوبی ثابت ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے:۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط"

یعنی آج میں نے قرآن کے اتارنے اور تکمیلِ نفوس سے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام پسند کر لیا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید جس قدر نازل ہونا تھا نازل ہو چکا اور مستعد دلوں میں نہایت عجیب اور حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کر چکا اور تربیّت کو کمال تک پہنچا دیا اور اپنی نعمت کو ان پر پورا کر دیا اور یہی دو رُکن ضروری ہیں جو ایک نبی کے آنے کی علّتِ غائی ہوتے ہیں۔ اب دیکھو یہ آیت کس زور شور سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہرگز اس دنیا سے کُوچ نہ کیا جب تک کہ دینِ اسلام کو تنزیل قرآن اور تکمیلِ نفوس سے کامل نہ کیا گیا۔ اور یہی ایک خاص علامت منجانب اللہ

ہونے کی ہے جو کاذب کو ہرگز نہیں دی جاتی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی صادق نبی نے بھی اس اعلیٰ شان کے کمال کا نمونہ نہیں دکھلایا کہ ایک طرف کتاب اللہ بھی آرام اور امن کے ساتھ پُوری ہو جائے اور دُوسری طرف تکمیلِ نفوس بھی ہو اور با ایں ہمہ کفر کو ہر یک پہلو سے شکست اور اسلام کو ہر یک پہلو سے فتح ہو۔

اور پھر دُوسری جگہ فرمایا :-

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۠

یعنی جب کہ آنے والی مدد اور فتح آگئی جس کا وعدہ دیا گیا تھا اور تُو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج دینِ اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ پس خُدا کی حمد اور تسبیح کر یعنی یہ کہہ کہ یہ جو ہوا وہ مجھ سے نہیں بلکہ اُس کے فضل اور کرم اور تائید سے ہے۔ اور اُس سے استغفار کر کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ بہت ہی رجُوع کرنے والا ہے۔

استغفار کی تعلیم جو نبیوں کو دی جاتی ہے اس کو عام لوگوں کے گناہ میں داخل کرنا عین حماقت ہے بلکہ دُوسرے لفظوں میں یہ لفظ اپنی نیستی اور تذلّل اور کمزوری کا اقرار اور مدد طلب کرنے کا متواضعانہ طریق ہے۔ چونکہ اُس سورۃ میں فرمایا گیا ہے کہ جس کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے وہ پورا ہو گیا یعنی یہ کہ ہزارہا لوگوں نے دینِ اسلام قبول کر لیا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک برس کے اندر فوت ہو گئے۔

نُورالقرآن ۔ ۔ ۔ صؔ تا ۲۶

❊❊❊

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آمد

کے متعلّق کُتبِ سابقہ میں پیشگوئیاں

یہودیوں کے موعود منجی

پیشگوئی توریت استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵ سے ۱۹ تک ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ خُدا نے یہ مقدر کیا ہے کہ موسیٰؑ کی طرح دُنیا میں ایک اور نبی آئے گا۔ یعنی ایسے وقت میں جبکہ پھر بنی اسرائیل فرعون کے زمانہ کی مانند طرح طرح کی ذلّتوں اور دکھوں میں ہوں گے اور وہ نبی ان کو جو اس پر ایمان لائیں گے ان دُکھوں اور بلاؤں سے نجات دے گا۔ اور جس طرح مُوسیٰؑ پر ایمان لانے سے بنی اسرائیل نے نہ صرف دُکھوں سے نجات پائی بلکہ اُن میں سے بادشاہ بھی ہو گئے۔ ایسا ہی ان اسرائیلیوں کا انجام ہو گا جو اس نبی پر ایمان لائیں گے۔ یعنے آخر اُن کو بھی بادشاہی ملے گی اور مُلکوں کے حکمران ہو جائیں گے۔ اسی پیشگوئی کو عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام پر لگانا چاہا تھا جس میں وہ ناکام رہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس مماثلت کا کچھ ثبوت نہ دے سکے اور یہ تو ان کے دل کا ایک خیالی پلاؤ ہے کہ یسوعؑ نے گناہوں سے نجات دی۔ کیا یورپ کے لوگ جو عیسائی ہو گئے ہر ایک قسم کی بدکاری اور زناکاری اور شراب خواری سے سخت متنفّر اور موحدانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔؟ ہم نے تو یورپ دیکھا نہیں۔ جنہوں نے دیکھا ہے اُن سے پوچھنا چاہیئے کہ یورپ کی کیا حالت ہے۔ ہم نے تو یہ سنا ہے کہ علاوہ اور باتوں کے ایک لندن میں ہی شراب خواری کی یہ کثرت ہے کہ اگر شراب کی دکانیں سیدھے خط میں لگائی جائیں

تو تخمیناً ستر میل تک ان کا طول ہو سکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ اوّل تو گناہوں سے نجات پانا ایک ایسا امر ہے جو آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔ کون کسی کے اندرونی حالات اور خطرات کے بجز خدا تعالیٰ کے واقف ہو سکتا ہے۔ پھر یورپ جو عیسائیوں کے لئے عیسائیت کی زندگی کا ایک کھلا کھلا نمونہ ہے جو کچھ ظاہر کر رہا ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ ہم محض اس قوم کی معصومانہ زندگی قبول کر سکتے ہیں۔ جس کے بعض افراد معصومانہ زندگی کے نشان اپنے ساتھ رکھتے ہوں اور راست بازوں کے برکات ان میں پائے جاتے ہوں۔ سو یہ قوم تو اسلام ہے جس کی راست بازی کے انوار کسی زمانہ میں کم نہیں ہوئے۔ ورنہ صرف دعویٰ دلیل کا کام نہیں دے سکتا۔

ماسوا اس کے یہ دعویٰ کہ گناہوں کا منجی کسی دُوسرے زمانہ میں آنے والا تھا۔ اس وجہ سے بھی نامعقول ہے کہ اگر ایسا منجی بھیجنا منظور تھا تو موسیٰؑ کے وقت میں ہی اس کی ضرورت تھی۔ کیونکہ بنی اسرائیل طرح طرح کے گناہوں میں غرق تھے۔ یہاں تک کہ بُت پرستی کر کے گناہوں کی معافی کے محتاج تھے۔ پس یہ کس قدر غیر معقول بات ہے کہ گناہ تو اسوقت بکثرت ہوں یہاں تک کہ گوسالہ پرستی تک نوبت پہنچی اور گناہوں سے نجات دینے والا چودہ سو برس بعد آوے۔ جبکہ کروڑہا انسان ان ہی گناہوں کی وجہ سے داخلِ جہنّم ہو چکے ہوں۔ ایسے ضعیف اور بودے خیال کو کون قبول کر سکتا ہے۔ اور اس کے مقابل پر یہ کس قدر صاف بات ہے کہ اس منجی سے مراد بلاؤں سے نجات دینے والا تھا۔ اور وہ درحقیقت ایسے وقت میں آیا جب کہ یہودیوں پر چاروں طرفوں سے بلائیں محیط ہو گئی تھیں۔ کئی دفعہ غیر قوموں کے بادشاہ ان کو گرفتار کر کے لے گئے۔ کئی دفعہ غلام بنائے گئے اور دو دفعہ ان کی ہیکل مسمار کی گئی۔ ہمارے معنوں کے رُو سے زمانہ ثبوت دیتا ہے کہ درحقیقت بلاؤں سے نجات دینے والا ایسے وقت آنا چاہیئے تھا جس وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے مگر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یسوع جو ہیرودس کے زمانہ میں پیدا ہوا وہی زمانہ گناہوں کے منجی کے بھیجنے کا زمانہ تھا تا گناہوں سے نجات بخشے ۔

غرض روحانی منجی ہونا ایسی بات ہے کہ محض تکلف اور بناوٹ سے بنائی گئی ہے۔ یہودی جس حالت کے لئے اب تک روتے ہیں وہ یہی ہے کہ کوئی ایسا منجی پیدا ہو جو ان کو دوسری حکومتوں سے آزادی بخشے۔ کبھی کسی یہودی کے خواب میں بھی نہیں آیا کہ روحانی منجی آئے گا اور نہ توریت کا یہ منشاء ہے۔ توریت تو صاف کہہ رہی ہے کہ آخری دنوں میں پھر بنی اسرائیل پر مصیبتیں پڑیں گی۔ اور ان کی حکومت اور آزادی جاتی رہے گی۔ پھر ایک نبی کی معرفت خدا اس حکومت اور آزادی کو دوبارہ بحال کرے گا۔ سو یہ پیشگوئی بڑے زور شور اور وضاحت کے ساتھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل پوری ہوگئی۔ کیونکہ جب یہود لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو اسی زمانہ میں حکومت اور امارت اور آزادی ان کو مل گئی اور پھر کچھ دنوں کے بعد وہ لوگ بہ برکتِ قبولِ اسلام رُوئے زمین کے بادشاہ ہوگئے اور وہ شوکت اور حکومت اور امارت اور بادشاہت ان کو حاصل ہوئی جو حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کے ذریعہ سے بھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ افغانوں کا عروج جو بنی اسرائیل ہیں شہاب الدین غوری کے وقت سے شروع ہوا۔ اور جب بہلول لودھی افغان تخت نشین ہوا۔ تب ہندوستان میں عام طور پر افغانوں کی امارت اور حکومت کی بُنیاد پڑی ۔ ۔ ۔ ۔ ان تمام واقعات سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کو جو دوبارہ آزادی اور شوکت اور سلطنت کا وعدہ دیا گیا تھا وہ اُن کے مُسلمان ہونے کے بعد آخر پورا ہوگیا۔ اس سے توریت کی سچائی پر ایک قوی دلیل پیدا ہوتی ہے۔ کہ کیونکہ توریت کے وہ تمام وعدے بڑی قوت اور شان کے ساتھ انجام کار پورے ہوگئے۔ اور اس جگہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ نبی جو بنی اسرائیل کی دوبارہ مصیبتوں کے وقت منجی ٹھہرایا گیا تھا وہ سیّدنا محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ ہاں جس طرح پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف راہ میں بنی اسرائیل کو چھوڑ کر وفات پائی اور قومِ اسرائیل کو ان کے بعد سلطنت ملی۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد جیسے جیسے بنی اسرائیل اسلام میں داخل

ہوتے گئے۔ حکومت اور امارت ان کو ملتی گئی۔ یہاں تک کہ آخر کار دنیا کے بڑے بڑے حصوں کے بادشاہ ہو گئے۔ (ایام الصلح صفحہ ۶،۷ حاشیہ)

انجیل میں نوید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم

مسیحؑ نے یوحنا کی انجیل کے ۱۶ باب میں کہا ہے کہ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) تمہارے پاس نہ آئے گا۔ پھر اگر میں جاؤں تو اسے تم پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیر وار ٹھہرائے گا۔ گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔ راستی سے اس لئے کہ میں اپنے باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت سے اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔ جب وہ روح حق آئے گی تو تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی۔ وہ روحِ حق میری بزرگی کرے گی۔ اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی۔ ۱۴۔ وہ تسلی دینے والا جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ لوقا ۱۴ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ مجھ کو نہ دیکھو گے۔ اسوقت تک کہ تم کہو گے مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر (یعنی مسیح علیہ السّلام کے نام پر) آتا ہے۔

ان آیات میں مسیحؑ کا یہ فقرہ کہ میں اسے تم پاس بھیجدوں گا۔ اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ مسیحؑ کی روحانیت اس کے آنے کے لئے تقاضا کرے گی اور یہ فقرہ کہ باپ اس کو میرے نام سے بھیجے گا اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ آنے والا مسیحؑ کی تمام روحانیت پائے گا اور اپنے کمالات کی ایک شاخ کی رُو سے وہ مسیحؑ ہو گا جیسا کہ ایک شاخ کی رو سے وہ موسیٰؑ ہے

بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تمام انبیاءؑ کے نام اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ وجودِ پاک جامع کمالاتِ متفرقہ ہے۔ پس وہ موسیٰؑ بھی ہے اور عیسیٰؑ

بھی اور آدمؑ بھی اور ابراہیمؑ بھی اور یوسفؑ بھی اور یعقوبؑ بھی۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ اشارہ فرماتا ہے: فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ یعنی اے رسولؐ اللہ تو ان تمام ہدایات متفرقہ کو اپنے وجود میں جمع کر لے جو ہر ایک نبی خاص طور پر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ تمام انبیاءؑ کی شانیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات میں شامل تھیں اور درحقیقت محمدؐ کا نام صلی اللہ علیہ وسلّم اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ محمدؐ کے یہ معنے ہیں کہ بغایت تعریف کیا گیا اور غایت درجہ کی تعریف تبھی متصور ہو سکتی ہے۔ کہ جب انبیاء کے تمام کمالات متفرقہ اور صفات خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم میں جمع ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات جن کا اس وقت لکھنا موجب طوالت ہے۔ اسی پر دلالت کرتی بلکہ بصراحت بتلاتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پاک باعتبار اپنی صفات اور کمالات کے مجموعہ انبیاءؑ تھی۔ اور ہر ایک نبی نے اپنے وجود کے ساتھ مناسبت پاکر یہی خیال کیا کہ میرے نام پر وہ آنے والا ہے۔ اور قرآن کریم ایک جگہ فرماتا ہے کہ سب سے زیادہ ابراہیمؑ سے مناسبت رکھنے والا یہ نبی ہے اور بخاری میں ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ میری مسیحؑ سے بشدت مناسبت ہے اور اس کے وجود سے میرا وجود ملا ہوا ہے۔ پس اس حدیث میں حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ کی تصدیق ہے کہ وہ نبی میرے نام پر آئیگا سو ایسا ہی ہوا کہ ہمارا مسیح صلی اللہ علیہ وسلّم جب آیا تو اس نے مسیح ناصری کے ناتمام کاموں کو پورا کیا اور اسکی صداقت کے لئے گواہی دی اور ان تہمتوں سے اس کو بری قرار دیا جو یہود و نصاریٰ نے اس پر لگائی تھیں اور مسیحؑ کی رُوح کو خوشی پہنچائی۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۲-۳۴۳)

وحیٔ کامل کے متعلق پیشگوئی

توریت میں خدا تعالےٰ کا یہ قول موجود ہے کہ میں تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی

قائم کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو شخص اس کے کلام کو نہ سنے گا میں اس سے مطالبہ کروں گا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اگر آئندہ زمانہ کی ضرورتوں کی رُو سے توریت کا سننا کافی ہوتا تو کچھ ضرورت نہ تھی کہ کوئی اور نبی آتا اور مواخذۂ الٰہیہ سے مخلصی پانا اس کلام کے سننے پر موقوف ہوتا جو اس پر نازل ہوتا۔ ایسا ہی انجیل نے کسی مقام میں دعویٰ نہیں کیا کہ انجیل کی تعلیم کامل اور جامع ہے بلکہ صاف اور کھلا کھلا اقرار کیا ہے کہ اور بہت سی باتیں قابلِ بیان تھیں مگر تم برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب فارقلیط آئے گا تو وہ سب کچھ بیان کرے گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی توریت کو ناقص تسلیم کر کے آنے والے نبی کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی ایسا ہی حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنی تعلیم کا نامکمل ہونا قبول کر کے یہ عذر پیش کر دیا کہ ابھی کامل تعلیم بیان کرنے کا وقت نہیں ہے لیکن جب فارقلیط آئے گا تو وہ کامل تعلیم بیان کر دے گا۔ مگر قرآن شریف نے توریت اور انجیل کی طرح کسی دوسرے کا حوالہ نہیں دیا۔

(دیباچہ براہینِ احمدیہ حصہ پنجم صث۳-۴)

رسولِ کریمؐ کے نام اور اُنکی حکمت

اسماءِ مبارک محمدؐ اور احمدؐ میں حکمتِ الٰہی

تم سن چکے ہو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ہیں (۱) ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ نام توریت میں لکھا گیا ہے۔ جو ایک آتشی شریعت ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ .... ذَالِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ

(۲) دوسرا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ نام انجیل میں ہے جو ایک جمالی رنگ میں تعلیم الٰہی ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:۔ ومبشرا برسولٍ یاتی من بعدی اسمہ احمد اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلال اور جمال دونوں کے جامع تھے مکّہ کی زندگی جمالی رنگ میں تھی اور مدنیہ کی زندگی جلالی رنگ میں اور پھر یہ دونوں صفتیں امّت کے لئے اس طرح پر تقسیم کی گئیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جلالی رنگ کی زندگی عطا ہوئی اور جمالی رنگ کی زندگی کے لئے مسیح موعودؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ٹھہرایا ؛

(اربعین ۴ صد ۱۳)

اس خدا کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور ہر ایک چیز میں ایک قسم کی خوب صورتی رکھی۔ اس نے انسانوں کے نفسوں کو اپنے لئے بنایا اور اپنی ذات کے ساتھ اُن کی بے آرامی کو دُور کیا اور جو کچھ بنایا نہایت استوار اور خوب اور نئی طرز کا اور محکم بنایا۔

اور سُورج کو روشن کیا اور چاند کو چمکایا اور انسان کو عزت اور شرف اور مرتبہ بخشا اور اُس کے رسُولِ اُمّی پر درُود اور سلام ہو۔ جس کا نام محمدؐ اور احمدؐ ہے۔ یہ دونوں نام اس کے وہ ہیں کہ جب حضرت آدمؑ کے سامنے تمام چیزوں کے نام پیش کئے گئے تھے تو سب سے اوّل یہی دو نام پیش ہوئے تھے۔ کیونکہ اس دنیا کی پیدائش میں وہی دو نام علّتِ غائی ہیں اور خدا تعالےٰ کے علم میں وہی اشرف اور اقدم ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بوجہ ان دونوں ناموں کے تمام انبیاء علیہم السلام سے اوّل درجہ پر ہیں اور بباعث اس کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام نبوت کے علم ختم ہو گئے اور آپؐ پر کامل اور جامع طور پر وحی نازل کی گئی اور آخری معارف اور وہ سب کچھ جو پہلوں اور پچھلوں کو دیا گیا تھا آپؐ کو عطا ہوا۔ ان تمام وجوہ سے آپؐ خاتم الانبیاء ٹھہرے اور ہر ایک سفید اور سیاہ کی طرف آپؐ کو بھیجا اور ہر ایک اندھے اور بہرے اور گونگے کی اصلاح کے لئے آپ کو پسند فرمایا اور خدا تعالےٰ نے اپنی نعمتوں کے عطر سے اس قدر آنجناب کو معطر کیا کہ اس سے پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں کیا گیا۔ خدا نے اپنے پاس سے آپؐ کو علم دیا اور اپنے پاس سے فہم عطا کیا۔ اور اپنے پاس سے معرفت بخشی اور اپنے پاس سے پاک کیا اور اپنے پاس سے ادب سکھلایا اور برگزیدگی کے پانی سے اپنے پاس سے نہلایا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس خُدا کی تعریف کرنا واجب ہو گیا جو اس کے ہر ایک کام کا آپ متکفل ہوا اور اپنی پناہ کی چادر کے نیچے جگہ دی اور ہر ایک کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا اپنی توجہ خاص سے بغیر توسط استادوں اور باپوں اور امیروں کے بنایا اور اپنے پاس سے اس پر ہر ایک قسم کی نعمت پوری کی۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی رُوح نے خدا تعالیٰ کی وہ تعریف کی جو کوئی فکر اس کے بھیدوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور کوئی آنکھ اس کے نوروں کی حدود کو پا نہیں سکتی اور اس نے خدا کی تعریف کو کمال تک پہنچایا یہاں تک کہ اس کے ذکروں میں گم اور فنا ہو گیا اور اس کے اس قدر تعریف کرنے اور خدا تعالےٰ کو صاحبِ تعریف ٹھہرانے کا بِرّ

یہ تھا کہ خدا تعالےٰ نے متواتر اور پے بہ پے اس پر اپنے فضل نازل کئے اور وہ عنایت اس کے شامل حال کی جس نے ایک طرفۃ العین بھی اس کو اپنی کوشش اور سعی کا محتاج نہ کیا یہاں تک کہ وجہ اللہ نے اس کے دِل کو چیر کر اپنا دخل اس میں کیا اور اپنی محبّت میں اس کو یگانا بنایا پس اس محسن کی تعریف کے لئے اس کے دِل میں جوش مارا اور خدا تعالیٰ کی تعریف اس کی دلی مراد ہوگئی اور یہ وہ مرتبہ ہے کہ بجز اس کے کسی کو رسولوں اور نبیوں اور ابدالوں اور ولیوں میں سے عطا نہیں ہوا کیونکہ ان لوگوں نے اپنے بعض معارف اور علوم اور نعمتیں بتوسط عالموں اور باپوں اور احسان کرنے والوں کے پائی تھیں مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو کچھ پایا جناب الٰہی سے پایا اور جو کچھ ان کو ملا اسی چشمۂ فضل اور عطا سے ملا۔ پس دوسروں کے دِل حمدِ الٰہی کے لئے لیسے رَس میں نہ آسکے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا دِل جوش میں آیا۔ کیوں کہ آنکے ہر ایک کام کا خدا ہی متولی تھا۔ پس اسی وجہ سے کوئی نبی یا رسول پہلے نبیوں اور رسولوں میں سے احمؐد کے نام سے موسوم نہیں ہوا۔ کیونکہ ان میں سے کسی نے خدا کی توحید اور ثنا ایسی نہیں کی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے۔ اور ان کی نعمتوں میں انسان کے ہاتھ کی ملونی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کو تمام علوم بے واسطہ نہیں دیئے گئے اور ان کے تمام امور کا بلا واسطہ خدا تعالےٰ متوّلی نہیں ہوا۔ اور نہ تمام امور میں بے واسطہ ان کی تائید کی گئی۔ پس کامل طور پر بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے کوئی مہدی نہیں اور نہ کامل طور پر بجز آنجناب صلعم کے کوئی احمؐد ہے۔ اور یہ وہ بھید ہے جس کو محض ابدال کے دِل سمجھتے ہیں اور کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ اور پھر جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں اس وجہ سے تھیں کہ انہوں نے خدا تعالےٰ کو اختیار کر لیا تھا اور ہوائے نفس سے الگ ہو کر خدا کی طرف متوجّہ ہو گئے تھے۔ اور اخلاص اور صدق اور توحید سے اس کی طرف دوڑے تھے۔ سو خدا نے وہ تعریفیں بطورِ انعام کے ان کی طرف واپس کر دیں اور تمام یگانہ صدیقوں سے اس کی یہی عادت

ہے۔ کہ وہ حامد کو محمود بنا دیتا ہے۔ پس ہمارا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان میں تعریف کیا گیا اور اس قصّے میں پرستاروں کے لئے یاد رکھنے کی بات ہے اور خدا کے ثناء خوانوں کو اس میں بشارت ہے کیونکہ خدا تعریف کرنے والے کی تعریف کو اسی کی طرف ردّ کر دیتا ہے اور اس کو قابلِ تعریف ٹھہرا دیتا ہے۔ پس وہ دنیا میں تعریف کیا جاتا ہے اور اس کی قبولیت زمین پر پھیلائی جاتی ہے۔ پس ہر ایک جو نیک طینت ہے اس کی تعریف کرتا ہے۔ اور یہی عبودیت کی حقیقت کا کمال اور پاک نفسوں کا انجام کار ہے۔ اور اس مقام کو کوئی شخص بجز صاحبِ معرفت کے نہیں پہچانتا۔ اور یہی نوعِ انسان کی غایت اور عبادتوں کا کمال مطلوب ہے۔ یہی وہ امر ہے جو اولیاء کی امیدوں کا منتہا اور طالبوں کے سلوک کے ختم ہونے کی جگہ ہے اور اسی کے ساتھ عنایتِ الٰہی برگزیدوں کے نفوس کو مکمل کرتی ہے اور یہی شریعت کے بوجھوں کا مغز اور مجاہدات دینی کا نتیجہ ہے۔ اور یہ ان امور کا بھید ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف لائے۔ پس اس نبی پر سلام اور برکتیں اور درود اور تحیّت ہوں۔ ۔ ۔ ۔

اور تجھے کیا خبر ہے کہ حمد کہتے کس کو ہیں اور کیوں اس کا بلند پایہ ہے اور اسکی عظمت سمجھنے کیلئے تجھے یہ کافی ہے کہ خدا نے قرآن شریف کی تعلیم کو حمد سے ہی شروع کیا ہے۔ تا لوگوں کو حمد کے مقام کی بلندی سمجھا دے جو کسی دل میں سے بجز گزارش اور محویت کے جوش نہیں مار سکتی اور اسی وقت متحقق ہوتی ہے جب کہ مارِ نفسِ امّارہ کچلا جائے۔ اور نفسانی چولا اتار لیا جائے۔ اور یہ حمد کسی زبان پر جاری نہیں ہو سکتی بجز اسکے کہ پہلے دل میں محبت کی آگ بھڑک اٹھے بلکہ یہ وجود پذیر ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ غیر کا نام نشان بکلی نہ زائل ہو جاوے اور پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایک شخص آتشِ محبتِ معبودِ حقیقی میں جل نہ جائے اور جو شخص اس آگ میں اپنے تئیں ڈال دے پس وہی اپنے دردمند دل اور اس سرّ سے جو خدا میں محو ہے خدا تعالیٰ کی تعریف کرے گا اور وہ وہی شخص ہے جس کو آسمان میں احمدؐ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور قریب کیا جاتا ہے۔ اور عزت کے گھر اور نضارۃ الدارین داخل کیا جاتا ہے

اور وہ عظمت اور جلال کا گھر ہے جو بطور استعارہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے اس کو اپنی ذات کے لئے بنایا۔ پھر اس گھر کو بطور مستعار اس کو دے دیتا ہے جو اس کی ذات کا ثناء خوان ہو۔ پس یہ شخص زمین و آسمان میں خدا تعالےٰ کے حکم کے ساتھ تعریف کیا جاتا ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں محمد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ بہت تعریف کیا گیا۔ اور یہ دونوں اسم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے ابتداءِ دُنیا سے وضع کئے گئے ہیں۔

(نجم الہدیٰ ص ۱ تا ۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صفاتی نام مہدی اور عبد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بھی مہدی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نبیوں کی طرح ظاہری علم کسی اُستاد سے نہیں پڑھا تھا۔ مگر حضرت علیسیٰؑ اور حضرت مُوسیٰؑ مکتبوں میں بیٹھے تھے اور حضرت علیسیٰؑ نے ایک یہودی استاد سے تمام توریت پڑھی تھی۔ غرض اسی لحاظ سے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کسی استاد سے نہیں پڑھا۔ خُدا آپ ہی اُستاد ہوا اور پہلے پہل خُدا نے ہی آپؐ کو اِقْرَاْ کہا یعنے پڑھ اور کسی نے نہیں کہا۔ اِس لئے آپؐ نے خاص خُدا کے زیرِ تربیت تمام دینی ہدایت پائی اور دُوسرے نبیوں کے دینی معلومات انسانوں کے ذریعہ سے بھی ہوئے ۔۔۔ یاد رہے کہ خدا تعالےٰ کے لطف اور احسان اس کے انبیاء علیہم السلام پر گوناگون پیرایوں میں نازل ہوتے ہیں۔ کسی نبی کی علمی اور عملی تکمیل بلا واسطہ ہوتی ہے اور کسی کی تکمیل میں بعض وسائط بھی ہوتے ہیں۔ سو یہ خاص فضل کی بات ہے کہ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی تکمیل بغیر واسطے کے کسی دُوسرے استاد کے ہو کر اسی لحاظ سے آپ کو مہدی کا لقب ملا۔ کیونکہ نہ آپؐ کی تعلیم کسی انسان کی معرفت ہوئی اور نہ آپؐ کی عملی طاقتیں کسی مہذب مجلس کی صحبت سے

پیدا ہوئیں۔ اور اسی خالص مہدویت کے نام کے لحاظ سے آپؐ کو بہت سے اسرار اور معارف اور کلم جامع بخشے گئے یہاں تک کہ قرآن شریف میں اس قدر معارف اور نکات اور علوم حکمیہ الٰہیہ اور دلائل عقلیہ فلسفیہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور فصاحت کے ساتھ بیان فرمائے گئے کہ وہ ان تمام معارف اور بلاغت کاملہ کے لحاظ سے ایک اعلیٰ درجے کا علمی معجزہ ٹھہر گیا جس کی نظیر پیش کرنا تمام جن وانس کی طاقت سے باہر ہے۔ سو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا وہ اعلیٰ کمال جس سے آپؐ کی خصوصیت تھی مہدیت اور عبودیت ہے۔ آپؐ کی مہدیت کا ہی اثر تھا کہ اس زمانہ کو عام خیال ہدایت یابی کا پیدا ہوا اور دلوں کو خود بخود خدا کی طرف توجّہ ہو گئی :

مہدیّت سے مراد وہ بے انتہا معارف الٰہیہ اور علوم حکمیہ اور علمی برکات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو بغیر واسطہ کسی انسان کے علم دین کے متعلق سکھلائے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے معجزات میں سے اوّل درجہ کا معجزہ ہے۔ جن کے ذریعہ سے بے شمار انسان ایمانی اور عملی قوٰی کی تکمیل کر کے معرفتِ تامہ کے بلند مینار تک پہنچ گئے اور عارفِ کامل ہو گئے۔ مسلمان اگر اس بات پر فخر کریں تو بجا ہے کہ جس قدر ان کو اپنے نبی کریمؐ اور کتاب اللہ قرآن شریف کے ذریعہ سے اسرار اور علوم اور نکات معلوم ہوئے اس کی نظیر کسی نبی کی امّت میں نہیں۔

اور عبودیت سے مُراد وہ حالت انقیاد اور موافقتِ تامہ اور رضا اور وفا اور استقامت ہے جو خدا تعالےٰ کے خاص تصرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوئی۔ جس سے آپ اس راہ کی طرح ہو گئے جو صاف کیا جاتا اور نرم کیا جاتا اور سیدھا کیا جاتا ہے۔ یہ وہ نمونہ تھا جس کی پیروی سے بے شمار انسان استقامتِ کاملہ تک پہنچ گئے۔

غرض یہ دونوں کامل صفتیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم میں متحقق تھیں جو عام ہدایت اور قوتِ ایمانی اور استقامت کا موجب ہوئیں اور جس طرح آنجناب کو مہدی اور عبد کا خدا تعالیٰ

کی طرف سے لقب ملا تھا ۔جس کی تشریح ابھی ہو چکی ہے ۔ اسی طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام کو رُوح اللہ کا لقب ملا اور جب یہ لقب ان کو عطا ہوا تو خدا نے ان کو برکتوں سے بھر دیا جس سے دُنیا کو جسمانی طور پر ان کے انفاس سے فائدہ پہنچا اور یہ فوائد اکثر دنیوی تھے مثلاً لوگوں کی بیماریوں کا توجہ سے دُور ہونا ۔ یا ان کی تنگیوں اور تکالیف کا حضرت مسیحؑ کی ہمت سے رفع ہو جانا یا ان کی دعاؤں سے ان کا دشمنوں پر فتح پانا یا کھانے پینے کی چیزوں میں برکت پیدا ہونا مگر وہ برکتیں ان علمی اور روحانی اور غیر فانی اور ایمانی برکتوں کے مقابل پر کچھ چیز نہیں تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ دنیا کو ملیں ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان روحانی اور غیر فانی اور ایمانی برکتوں میں سے حضرت مسیحؑ نے اپنی امّت کو کوئی حصّہ نہیں دیا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ ان جسمانی برکتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی امّت کو محروم رکھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ میں جسمانی فانی برکتوں کی کثرت تھی ۔ اور روحانی اور ایمانی اور دائمی برکتیں دنیا کو ان سے بہت ہی کم ملیں اسی وجہ سے خدا تعالےٰ کو بھی کہنا پڑا کہ کیا اپنی اُمّت کو تُو نے ہی شرک سکھایا ہے ۔ ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی دائمی برکتیں بکثرت دی گئیں اور جسمانی برکتیں بہ نسبت روحانی کے تھوڑی تھیں کیونکہ روحانی گویا بے شمار تھیں ۔

(ایام الصلح صہ ۱۴۷ - ۱۵۰)

٭ ٭ ٭

رسُولِ کریمؐ جامع جمیع اخلاق انبیاءؑ تھے

جو اخلاقِ فاضلہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کا قرآن شریف میں ذکر ہے وہ حضرت موسیٰؑ سے ہزارہا درجہ بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرما دیا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم تمام ان اخلاق فاضلہ کا جامع ہے جو نبیوں میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ تو خلقِ عظیم پر ہے۔ اور عظیم کے لفظ کے ساتھ جس چیز کی تعریف کی جائے وہ عرب کے محاورہ میں اس چیز کی انتہائے کمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ یہ درخت عظیم ہے تو اس سے یہ مطلب ہوگا کہ جہاں تک درختوں کے لئے طول وعرض اور تناوری ممکن ہے وہ سب اس درخت میں حاصل ہے۔ ایسا ہی اس آیت کا مفہوم ہے۔ کہ جہاں تک اخلاقِ فاضلہ اور شمائلِ حسنہ نفسِ انسانی کو حاصل ہو سکتے ہیں وہ تمام اخلاقِ کاملہ تامّہ نفسِ محمّدی میں موجود ہیں۔ سو یہ تعریف ایسی اعلیٰ درجے کی ہے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں فرمایا: وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ٥ یعنی تیرے پر خدا کا سب سے زیادہ فضل ہے اور کوئی نبی تیرے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی تعریف بطور پیشگوئی زبور باب ۴۵ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں موجود ہے جیسا کہ فرمایا کہ خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تجھے معطّر کیا۔

(براہینِ احمدیہ چہارم صفحہ ۵ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

٭٭٭

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق زمانہ مصائب اور فتوحات میں

انبیاء اور اولیاء کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ تا لوگ جمیع اخلاق میں ان کی پیروی کریں اور جن امور پر خدا نے ان کو استقامت بخشی ہے اسی جادۂ استقامت پر سب حق کے طالب قدم ماریں اور یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ اخلاقِ فاضلہ کسی انسان کے اس وقت بہ پایۂ ثبوت پہنچتے ہیں کہ جب اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوں اور اسی وقت دلوں پر ان کی تاثیریں بھی ہوتی ہیں مثلاً عفو وہ معتبر اور قابلِ تعریف ہے کہ جو قدرتِ انتقام کے وقت میں ہو۔ اور پرہیزگاری وہ قابلِ اعتبار ہے کہ جو نفس پروری کی قدرت موجود ہوتے ہوئے پھر پرہیزگاری قائم رہے۔

غرض خدا تعالےٰ کا ارادہ انبیاء اور اولیاء کی نسبت یہ ہوتا ہے کہ ان کے ہر ایک قسم کے اخلاق ظاہر ہوں اور بہ پایۂ ثبوت پہنچ جائیں سو خدا تعالےٰ اسی ارادہ کو پورے کرنے کی غرض سے ان کی نورانی عمر کو دو حصہ پر منقسم کر دیتا ہے۔ ایک حصہ تنگیوں اور مصیبتوں میں گزرتا ہے اور ہر طرح سے دُکھ دیئے جاتے ہیں اور ستائے جاتے ہیں تا وہ اعلیٰ اخلاق ان کے ظاہر ہو جائیں کہ جو بجز سخت تر مصیبتوں کے ہرگز ظاہر اور ثابت نہیں ہو سکتے۔ اگر ان پر وہ سخت تر مصیبتیں نازل نہ ہوں تو یہ کیوں کر ثابت ہو کہ وہ ایک ایسی قوم ہے کہ مصیبتوں کے پڑنے سے اپنے مولیٰ سے بے وفائی نہیں کرتے بلکہ اور بھی آگے قدم بڑھاتے ہیں اور خداوند کریم کا شکر کرتے ہیں۔ کہ اس نے سب کو چھوڑ کر انہیں پر نظر عنایت کی اور انہیں کو اس لائق سمجھا کہ اس کے لئے اور اس کی راہ میں ستائے جائیں۔ سو خدا تعالےٰ ان پر مصیبتیں نازل کرتا ہے تا ان کا صبر ان کا صدقِ قدم ان کی مردمی ان کی استقامت ان کی وفاداری ان کی فتوت شعاری لوگوں پر ظاہر کر کے الاستقامت فوق الکرامت کا مصداق ان کو ٹھہراوے کیونکہ کامل صبر بجز کامل مصیبتوں کے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اور اعلیٰ درجے کی استقامت اور ثابت قدمی بجز اعلیٰ درجہ

کے زلزلہ کے معلوم نہیں ہو سکتی ؛

اور یہ مصائب حقیقت میں انبیاء اور اولیاء کے لئے روحانی نعمتیں ہیں جن سے دنیا میں اِن کے اخلاقِ فاضلہ جن میں وہ بے مثل و مانند ہیں ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے درجات کی ترقی ہوتی ہے۔ اگر خدا ان پر یہ مصیبتیں نازل نہ کرتا تو یہ نعمتیں بھی ان کو حاصل نہ ہوتیں۔ اور نہ عوام پر ان کے شمائلِ حسنہ کما حقہٗ کھلتے بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح اور ان کے مساوی ٹھہرتے اور گو اپنی چند روزہ عمر کو کیسے ہی عشرت اور راحت میں بسر کرتے پر آخر ایک دن اِس دارِ فانی سے گزر جاتے اور اس صورت میں نہ وہ عیش اور عشرت ان کی باقی رہتی نہ آخرت کے درجاتِ عالیہ حاصل ہوتے نہ دنیا میں ان کی وہ فتوت اور جوانمردی اور وفاداری اور شجاعت شہرۂ آفاق ہوتی۔ جس سے وہ ایسے ارجمند ٹھہرے جن کا کوئی مانند نہیں اور ایسے یگانہ ٹھہرے جن کا کوئی ہم جنس نہیں۔ اور ایسے فرد الفرد ٹھہرے جن کا کوئی ثانی نہیں۔ اور ایسے غیب الغیب ٹھہرے جن تک کسی ادراک کی رسائی نہیں اور ایسے کامل اور بہادر ٹھہرے کہ گویا ہزار ہا شیر ایک قالب میں ہیں اور ہزار ہا پلنگ ایک بدن میں جن کی قوت اور طاقت سب کی نظروں سے بلند تر ہو گئی اور جو تقرب کے اعلٰے درجات تک پہنچ گئی۔

اور دُوسرا حصہّ انبیاء اور اولیاء کی عمر کا فتح میں، اقبال میں، دولت میں، بمرتبہ کمال ہوتا ہے تا وہ اخلاق ان کے ظاہر ہو جائیں کہ جن کے ظہور کے لئے فتح مند ہونا، صاحبِ اقبال ہونا صاحبِ دولت ہونا۔ صاحبِ اختیار ہونا صاحبِ اقتدار ہونا، صاحب طاقت ہونا ضروری ہے کیونکہ اپنے دُکھ دینے والوں کے گناہ بخشنا اور اپنے ستانے والوں سے درگزر کرنا اور اپنے دشمنوں سے پیار کرنا اور اپنے بد اندیشوں کی خیر خواہی بجالانا، دولت سے دل نہ لگانا۔ دولت سے مغرور نہ ہونا۔ دولت مندی میں امساک اور بخل اختیار نہ کرنا اور کرم اور جود اور بخشش کا دروازہ کھولنا اور دولت کو ذریعۂ نفس پروری نہ ٹھہرانا اور حکومت کو آلۂ ظلم و تعدّی نہ بنانا

یہ سب اخلاق ایسے ہیں کہ جن کے ثبوت کے لئے صاحب دولت اور صاحب طاقت ہونا شرط ہے اور اسی وقت ہونا شرط ہے اور اسی وقت بہ پایۂ ثبوت پہنچتے ہیں کہ جب انسان کے لئے دولت اور اقتدار دونوں میسّر ہوں پس چونکہ بجز زمانۂ مصیبت وادبار و زمانۂ دولت و اقتدار یہ دونوں قسم کے اخلاق ظاہر نہیں ہو سکتے اس لئے حکمتِ کاملۂ ایزدی نے تقاضا کیا کہ انبیاء اور اولیاء کو ان دونوں طور کی حالتوں سے کہ جو ہزار ہا نعمتوں پر مشتمل ہے متمتع کرے ۔

لیکن ان دونوں حالتوں کا زمانۂ وقوع ہر یک کے لئے ایک ترتیب پر نہیں ہوتا بلکہ حکمتِ الٰہیہ بعض کے لئے زمانۂ امن و آسائش پہلے حصّہ عمر میں میسّر کر دیتی ہے۔ اور زمانہ تکالیف پیچھے سے اور بعض پر پہلے وقتوں میں تکالیف وارد ہوتی ہیں۔ اور پھر آخر کار نُصرتِ الٰہی شامل ہو جاتی ہے اور بعض میں یہ دونوں حالتیں مخفی ہوتی ہیں اور بعض میں کامل درجہ پر ظہور و بروز پکڑتی ہیں۔

اور اس بارے میں سب سے اوّل قدم حضرت خاتم الرسل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر کمال وضاحت سے یہ دونوں حالتیں وارد ہو گئیں اور ایسی ترتیب سے آئیں کہ جس سے تمام اخلاقِ فاضلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مثل آفتاب کے روشن ہو گئے اور مضمون اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کا بپایۂ ثابت پہنچ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا دونوں طور پر علیٰ وجہ الکمال ثابت ہونا تمام انبیاء کے اخلاق کو ثابت کرتا ہے کیونکہ آں جنابؐ نے ان کی نبوت اور ان کی کتابوں کو تصدیق کیا۔ اور ان کا مقرب اللہ ہونا ظاہر کر دیا ہے۔

پس اس تحقیق سے یہ اعتراض بھی بالکل دور ہو گیا کہ جو مسیح علیہ السلام کے اخلاق کی نسبت دلوں میں گزر سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ اخلاق حضرت مسیح علیہ السلام دونوں قسم مذکورہ بالا پر علیٰ وجہ الکمال

ثابت نہیں ہوسکتے۔ بلکہ ایک قسم کے رو سے بھی ثابت نہیں ہیں۔ کیونکہ مسیحؑ نے جو زمانہ مصیبتوں میں صبر کیا تو کمالیت اور صحت اس صبر کی تب بہ پایہ صداقت پہنچ سکتی تھی کہ جب مسیحؑ اپنے تکلیف دہندوں پر اقتدار اور غلبہ پاکر اپنے موذیوں کے گناہ دلی صفائی سے بخش دیتا۔ جیسا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں اور دوسرے لوگوں پر بکلّی فتح پاکر اور ان کو اپنی تلوار کے نیچے دیکھ کر پھر ان کا گناہ بخش دیا اور صرف ان ہی چند لوگوں کو سزا دی جن کو سزا دینے کیلئے حضرت احدیت کی طرف سے قطعی حکم وارد ہو چکا تھا اور بجز ان ازلی ملعونوں کے ہر یک دشمن کا گناہ بخش دیا اور فتح پاکر سب کو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہا اور اسی عفو تقصیر کی وجہ سے کہ جو مخالفوں کی نظر میں ایک امر محال معلوم ہوتا تھا اور اپنی شرارتوں پر نظر کرنے سے وہ اپنے تئیں اپنے مخالف کے ہاتھ میں دیکھ کر مقتول خیال کرتے تھے۔ ہزاروں انسانوں نے ایک ساعت میں دین اسلام قبول کرلیا اور حقانی صبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جو ایک زمانۂ دراز تک آنجنابؐ نے ان کی سخت ایذاؤں پر کیا تھا۔ آفتاب کی طرح ان کے سامنے روشن ہوگیا۔

اور چونکہ فطرتاً یہ بات انسان کی عادت میں داخل ہے کہ اسی شخص کے صبر کی عظمت اور بزرگی انسان پر کامل طور پر روشن ہوتی ہے کہ جو بعد زمانۂ آزارکشی کے اپنے آزار دہندہ پر قدرت انتقام پاکر اس کے گناہ کو بخش دے۔ اسوجہ سے مسیحؑ کے اخلاق جو صبر اور حلم اور برداشت کے متعلق تھے بخوبی ثابت نہ ہوئے اور یہ امر اچھی طرح نہ کھلا کہ مسیح کا صبر اور حلم اختیاری تھا۔ یا اضطراری تھا۔ کیونکہ مسیحؑ نے اقتدار اور طاقت کا زمانہ نہیں پایا تا دیکھا جاتا کہ اس نے اپنے موذیوں کے گناہ کو عفو کیا یا انتقام لیا برخلاف اخلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ وہ صدہا مواقع میں اچھی طرح کھل گئے۔ اور امتحان کئے گئے اور ان کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہوگئی۔ اور جو اخلاق کرم اور جود اور سخاوت اور ایثار اور فتوت اور شجاعت اور زہد اور قناعت

اور اعراض عن الدنیا کے متعلق تھے وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات مبارک میں ایسے روشن اور تاباں اور درخشاں ہوئے کہ مسیح کیا بلکہ دنیا میں آنحضرتؐ سے پہلے کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا جس کے اخلاق ایسی وضاحت تامہ سے روشن ہو گئے ہوں کیونکہ خدا تعالےٰ نے بے شمار خزائن کے دروازے آنحضرتؐ پر کھول دیئے۔ سو آنجنابؐ نے ان سب کو خدا کی راہ میں خرچ کیا اور کسی نوع کی تن پروری میں ایک حبہ بھی خرچ نہ ہوا۔ نہ کوئی عمارت بنائی نہ کوئی بارگاہ تیار ہوئی بلکہ ایک چھوٹے سے کچے کوٹھے میں جسکو غریب لوگوں کے کوٹھوں پر کچھ بھی ترجیح نہ تھی اپنی ساری عمر بسر کی بدی کرنے والوں سے نیکی کر کے دکھلائی اور وہ جو دلآزار تھے ان کو ان کی مصیبت کے وقت اپنے مال سے خوشی پہنچائی۔ سونے کے لئے اکثر زمین پر بستر اور رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا جھونپڑا اور کھانے کے لئے نانِ جَو یا فاقہ اختیار کیا۔ دنیا کی دولتیں بکثرت ان کو دی گئیں پر آنحضرتؐ نے اپنے پاک ہاتھوں کو دنیا سے ذرا آلودہ نہ کیا اور ہمیشہ فقر کو تونگری پر اور مسکینی کو امیری پر اختیار رکھا اور اُس دن سے جو ظہور فرمایا تا اس دن تک جو اپنے رفیقِ اعلےٰ سے جا ملے بجز اپنے مولیٰ کریم کے کسی کو کچھ چیز نہ سمجھا اور ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ پر معرکۂ جنگ میں کہ جہاں قتل کیا جانا یقینی امر تھا۔ خالصاً خدا کے لئے کھڑے ہو کر اپنی شجاعت اور وفاداری اور ثابت قدمی دکھلائی۔

غرض جود اور سخاوت اور زہد اور قناعت اور مردمی اور شجاعت اور محبّتِ الٰہیہ کے متعلق جو جو اخلاقِ فاضلہ ہیں وہ بھی خداوند کریم نے حضرت خاتم الانبیاءؐ میں ایسے ظاہر کئے کہ جن کی مثل نہ کبھی دنیا میں ظاہر ہوئی اور نہ آئندہ ظاہر ہو گی۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام میں اس قسم کے اخلاق بھی اچھی طرح ثابت نہیں ہوئے کیونکہ یہ سب اخلاق بجز زمانۂ اقتدار اور دولت کے بہ پایۂ ثبوت نہیں پہنچ سکتے اور مسیحؑ نے اقتدار اور دولت کا زمانہ نہیں پایا اس لئے دونوں قسم کے اخلاق اسکے زیر پردہ رہے اور جیسا کہ شرط ہی ظہور پذیر نہ ہوئی۔

پس یہ اعتراض مذکورہ بالا جو مسیحؑ کی ناقص حالت پر وارد ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی کامل حالت سے بکلّی مندفع ہوگیا۔ کیونکہ وجودِ باجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہر یک نبی کے لئے متمم اور مکمّل ہے اور اس ذاتِ عالی کے ذریعہ سے جو کچھ امر مسیحؑ اور دُوسرے نبیوں کا مشتبہ اور مخفی رہا تھا۔ وہ چمک اٹھا اور خدا نے اس ذاتِ مقدّس پر انہیں معنوں کر کے وحی اور رسالت کو ختم کیا کہ سب کمالات اس وجود باجود پر ختم ہو گئے۔

وھذا فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۵ تا ۲۶۳ حاشیہ نمبر ۱۱)

آنحضرتؐ کا استقلال و ثبات

جب یہ آیتیں اُتریں کہ مشرکین رجس ہیں پلید ہیں۔ شرّ البریہ ہیں۔ سفہا ہیں اور ذریت شیطان ہیں اور ان کے معبود تو وَقُودُ النَّارِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۔ ہیں تو ابو طالب نے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کو بلا کر کہا کہ اے میرے بھتیجے اب تیری دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہوگئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی تو نے ان کے عقلمندوں کو سفیہ قرار دیا اور ان کے بزرگوں کو شرّ البریہ کہا اور ان کے قابلِ تعظیم معبودوں کا نام ہیزم جہنّم اور وقود النار رکھا اور عام طور پر ان سب کو رجس اور ذریتِ شیطان اور پلید ٹھہرایا۔ میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آجا ورنہ میں قوم کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا کہ اے چچا یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ اور نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رُک نہیں سکتا اور

اے چچا اگر تجھے اپنی کمزوری اور اپنی تکلیف کا خیال ہے تو تُو مجھے پناہ میں رکھنے سے دستبردار ہو جا۔ بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں۔ میں احکامِ الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رُکوں گا۔ مجھے اپنے مولیٰ کے احکام جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ بخدا اگر میں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ میں پھر بار بار زندہ ہو کر ہمیشہ اسی راہ میں مرتا رہوں۔ یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہا لذّت ہے کہ اس کی راہ میں دُکھ اٹھاؤں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نُورانیت سے بھری ہوئی رقت نمایاں ہو رہی تھی۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم یہ تقریر ختم کر چکے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے اختیار ابوطالب کے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں تیری اس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا تو اور ہی رنگ میں اور ہی شان میں ہے۔ جا اپنے کام میں لگا رہ جب تک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دوں گا۔ اب حاصلِ کلام یہ ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابوطالب کے اعتراض کا خود اپنی زبانِ مبارک سے جواب دیا۔ درحقیقت وہی جواب ہر یک معترض کے ساکت کرنے کے لئے کافی ووافی ہے کیونکہ دشنام دہی اور چیز ہے اور بیانِ واقعہ کا گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو دوسری شئے ہے۔ (ازالۂ اوہام صفحہ ۱۶-۱۷)

رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا صبر

چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے تھے اس لئے ان کے مخالفوں نے بباعث اس تکبّر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دِل اور دماغ میں جاگزین ہوتا ہے۔ جو اپنے تئیں دولت میں مال میں کثرتِ جماعت میں مرتبت میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال

کرتے ہیں۔ اسوقت کے مسلمانوں یعنے صحابہؓ سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودا زمین پر قائم ہو بلکہ وہ اُن راست بازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے۔ اور کوئی دقیقہ آزار رسانی کا اٹھا نہیں رکھا تھا۔ اور اُن کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اس مذہب کے پیر جم جائیں اور پھر اس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہو جائے۔ سو اسی خوف سے جو اُن کے دلوں میں ایک رُعبناک صُورت میں بیٹھ گیا تھا نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں ان سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانۂ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی ان کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسان کے فخر ان شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچّے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔ اس پر بھی خدا تعالےٰ کیطرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ ان برگزیدہ راست بازوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے خونوں سے کُوچے سُرخ ہو گئے۔ پر انہوں نے دم نہ مارا۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خُدا کے پاک اور مقدس رسولؐ کو جس پر زمین اور آسمان سے بیشمار سلام ہیں۔ بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا۔ مگر اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور انہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا۔

تب اُس خُدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گذر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اس نے اپنے پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب

کچھ دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور میں خدائے قادر ہوں۔ ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ (رسالہ جہاد صٓ۵، ۶)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے زمانہ میں خود سبقت کر کے ہرگز تلوار نہیں اٹھائی۔ بلکہ ایک زمانۂ دراز تک کفّار کے ہاتھ سے دکھ اٹھایا اور اس قدر صبر کیا جو ہر ایک انسان کا کام نہیں اور ایسا ہی آپؐ کے اصحاب بھی اسی اعلیٰ اصول کے پابند رہے اور جیسا کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ دکھ اٹھاؤ اور صبر کرو ایسا ہی انہوں نے صدق اور صبر دکھایا۔ وہ پیروں کے نیچے کچلے گئے انہوں نے دم نہ مارا۔ ان کے بچے ان کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے وہ آگ اور پانی کے ذریعے سے عذاب دیئے گئے مگر وہ شر کے مقابلہ سے ایسے باز رہے کہ گویا وہ شیر خوار بچے ہیں۔

کون ثابت کر سکتا ہے کہ دنیا میں تمام نبیوں کی اُمتوں میں سے کسی ایک نے بھی باوجود قدرتِ انتقام ہونے کے خدا کا حکم سن کر ایسا اپنے تئیں عاجز اور مقابلہ سے دست کش بنا لیا جیسا کہ انہوں نے بنایا؟ کس کے پاس اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا میں کوئی اور بھی ایسا گروہ ہوا ہے جو باوجود بہادری اور جماعت اور قوتِ باز و اور طاقت مقابلہ اور پائے جانے تمام لوازمِ مردمی اور مردانگی کے پھر خونخوار دشمن کی ایذا اور زخم رسانی پر تیرہ برس تک برابر صبر کرتا رہا؟ ہمارے سیّد و مولیٰ اور آپؐ کے صحابہؓ کا یہ صبر کسی مجبوری سے نہیں تھا بلکہ اس صبر کے زمانہ میں بھی آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ کے وہی ہاتھ اور بازو تھے جو جہاد کے حکم کے بعد انہوں نے دکھائے اور بسا اوقات ایک ہزار جوان نے مخالف کے ایک لاکھ سپاہی نبرد آزما کو شکست دیدی۔ ایسا ہوا تا لوگوں کو معلوم ہو کہ جو مکّہ میں دشمنوں کی خونریزیوں پر صبر کیا گیا تھا اُس کا باعث کوئی بُزدلی اور کمزوری نہیں تھی بلکہ خدا کا حکم سن کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور بکریوں اور بھیڑوں کی طرح ذبح ہونے کو تیار ہو گئے تھے۔

بے شک ایسا صبر انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اور گو ہم تمام دنیا اور تمام نبیوں کی

تاریخ پڑھ جائیں تب بھی ہم کسی اُمّت میں اور کسی نبی کے گروہ میں یہ اخلاقِ فاضلہ نہیں پاتے اور اگر پہلوں میں سے کسی کے صبر کا قصّہ بھی ہم سنتے ہیں تو فی الفور دل میں گزرتا ہے کہ قرائن اس بات کو ممکن سمجھتے ہیں کہ اِس صبر کا موجب دراصل بزدلی اور عدمِ قدرتِ انتقام ہو۔ مگر یہ بات کہ ایک گروہ جو درحقیقت سپاہیانہ ہنر اپنے اندر رکھتا ہو اور بہادر اور قوی دِل کا مالک ہو اور پھر وہ دکھ دیا جائے اور اس کے بچے قتل کئے جائیں اور اس کو نیزوں سے زخمی کیا جائے مگر پھر بھی وہ بدی کا مقابلہ نہ کرے۔ یہ وہ مردانہ صفت ہے جو کامل طور پر یعنی تیرہ برس برابر ہمارے نبی کریمؐ اور آپؐ کے صحابہؓ سے ظہور میں آئی ہے۔ ایسی قسم کا صبر جس میں ہر دم سخت بلاؤں کا سامنا تھا جس کا سلسلہ تیرہ برس کی دراز مدّت تک لمبا تھا درحقیقت بے نظیر ہے اور اگر کسی کو اس میں شک ہو تو ہمیں بتلا دے کہ گزشتہ راست بازوں میں اسی قسم کے صبر کی نظیر کہاں ہے ؟

اور اس جگہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس قدر ظلم جو صحابہؓ پر کیا گیا ایسے ظلم کے وقت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اجتہاد سے کوئی تدبیر بچنے کی ان کو نہیں بتلائی بلکہ بار بار یہی کہا کہ ان تمام دُکھوں پر صبر کرو اور اگر کسی نے مقابلہ کے لئے کچھ عرض کیا تو اس کو روک دیا اور فرمایا کہ مجھے صبر کا حکم ہے بغرض ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبر کی تاکید فرماتے رہے جب تک کہ آسمان سے حکمِ مقابلہ نہ آگیا۔

اب اس قسم کے صبر کی نظیر تم اوّل اور آخر کے تمام لوگوں میں تلاش کرو۔ پھر اگر ممکن ہو تو اس کا نمونہ حضرت موسیٰؑ کی قوم میں سے یا حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے دستیاب کرکے ہمیں بتلاؤ ؛

سبحان اللہ وہ لوگ کیسے راست باز اور نبیوں کی رُوح اپنے اندر رکھتے تھے کہ جب خدا نے مکّہ میں اُن کو یہ حکم دیا کہ بدی کا مقابلہ مت کرو اگرچہ ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ۔ پس وہ اس حکم کو پاکر شیرخوار بچّوں کی طرح عاجز اور کمزور بن گئے۔ گویا نہ ان کے ہاتھوں میں زور

ہے اور نہ ان کے بازوؤں میں طاقت۔ بعض ان میں اس طور سے بھی قتل کئے گئے کہ دو اونٹوں کو ایک جگہ کھڑا کر کے ان کی ٹانگیں مضبوط طور پر ان اونٹوں سے باندھ دی گئیں اور پھر اونٹوں کو مخالف سمت میں دوڑایا گیا۔ پس وہ اِک دم میں ایسے چِر گئے جیسے گاجر یا مولی چیری جاتی ہے۔

(رسالہ جہاد صفحہ ۱۱تا۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا عفو!

ہاں یہ اخلاقِ فاضلہ ہمارے سیّد و مولیٰ افضل الانبیاء خیرالاصفیاء محمد مصطفیٰ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلّم میں ثابت ہیں کہ آپؐ نے جب مکّہ والوں پر فتح پائی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو بہت ستایا تھا اور صدہا ناحق کے خون کئے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ ہم اپنی خونریزیوں کے عوض ٹکڑے ٹکڑے کئے جاویں گے۔ ان سب کو بخش دیا اور کہا کہ جاؤ میں نے سب کو آزاد کر دیا۔ عیسائیوں کی اگر نیک قسمت ہے تو اب بھی اس آفتاب صداقت کو شناخت کریں اور مُردہ پرستی سے باز آئیں۔

(اشتہار دو عیسائیوں میں محاکمہ)
مجموعہ اشتہارات صفحہ ۱۵۰

☆☆☆

صداقتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم

زمانہ مصلحِ اعظم کا مقتضی تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اس زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے کہ جب تمام دنیا میں شرک اور گمراہی اور مخلوق پرستی پھیل چکی تھی اور تمام لوگوں نے اصولِ حقہ کو چھوڑ دیا تھا اور صراطِ مستقیم کو بھول بھلاکر ہریک فرقہ نے الگ الگ بدعتوں کا راستہ لے لیا تھا۔ عرب میں بُت پرستی کا نہایت زور تھا۔ فارس میں آتش پرستی کا بازار گرم تھا۔ ہند میں علاوہ بُت پرستی کے اور صدہا طرح کی مخلوق پرستی پھیل رہی تھی اور انہی دنوں میں کئی پوران اور پُستک کہ جن کے رو سے بیسیوں خدا کے بندے خدا بنائے گئے۔ اور اوتار پرستی کی بُنیاد ڈالی گئی۔ تصنیف ہو چکے تھے اور بقول پادری لورٹ صاحب اور کئی فاضل انگریزوں کے ان دنوں میں عیسائی مذہب سے زیادہ اور کوئی مذہب خراب نہ تھا اور پادری لوگوں کی بدچلنی اور بداعتقادی سے مذہب عیسوی پر ایک سخت دھبہ لگ چکا تھا اور مسیحی عقائد میں نہ ایک نہ دو بلکہ کئی چیزوں نے خُدا کا منصب لے لیا تھا۔ پس آنحضرتؐ کا ایسی عام گمراہی کے وقت میں مبعوث ہونا کہ جب خود حالت موجودہ زمانہ کی ایک بزرگ معالج اور مصلح کو چاہتی تھی اور ہدایتِ ربّانی کی کمال ضرورت تھی اور پھر ظہور فرما کر ایک عالم کو توحید اور اعمالِ صالح سے منوّر کرنا اور شرک اور مخلوق پرستی کا جو اُم الشرور ہے قلع قمع فرمانا اس بات پر صاف دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم خُدا کے سچّے رسُول اور سب رسولوں سے افضل تھے ؎

سچّا ہونا ان کا تو اس سے ثابت ہے کہ اس عام ضلالت کے زمانہ میں قانون قدرت ایک سچے ہادی کا متقاضی تھا اور سنّتِ الٰہیہ ایک رہبر صادق کی مقتضی تھی۔ کیونکہ قانونِ قدیم حضرتِ ربّ العالمین کا یہی ہے کہ جب دُنیا میں کسی نوع کی شدت اور صعوبت اپنے انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ تو رحمتِ الٰہی اس کے دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ جیسے جب اِمساکِ باراں سے غایت درجہ کا قحط پڑ کر خلقت کا کام تمام ہونے لگتا ہے تو آخر خداوند کریم بارش کر دیتا ہے اور جب وبا سے لاکھوں آدمی مرنے لگتے ہیں تو کوئی صورت اِصلاحِ ہوا کی نکل آتی ہے یا کوئی دوا ہی پیدا ہو جاتی ہے اور جب کسی ظالم کے پنجے میں کوئی قوم گرفتار ہوتی ہے۔ تو آخر کوئی عادل اور فریاد رس پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ایسا ہی جب لوگ خدا کا راستہ بھُول جاتے ہیں اور توحید اور حق پرستی کو چھوڑ دیتے ہیں تو خداتعالےٰ اپنی طرف سے کسی بندہ کو بصیرتِ کامل عطا فرما کر اور اپنے کلام اور الہام سے مشرّف کر کے بنی آدم کی ہدائیت کے لئے بھیجتا ہے کہ تا جس قدر بگاڑ ہو گیا ہے۔ اس کی اصلاح کرے۔ اس میں اصل حقیقت یہ ہے کہ پروردگار جو قیوّم عالم کا ہے اور بقاء اور وجود عالم کا اسی کے سہارے اور آسرے سے ہے۔ کبھی اپنی فیضان رسانی کی صفت کو خلقت سے دریغ نہیں کرتا اور نہ بیکار اور معطّل چھوڑتا ہے۔ بلکہ ہر یک صفت اسکی اپنے موقع پر فی الفور ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔

پس جب کہ از روئے تجویز عقل کے اس بات پر قطع واجب ہوا کہ ہر یک آفت کا غلبہ توڑنے کے لئے خداتعالےٰ کی وہ صفت جو اس کے مقابلہ پر پڑی ہے ظہور کرتی ہے اور یہ بات تواریخ سے اور خود مخالفین کے اقرار سے اور خاص فرقانِ مجید کے بیان واضح سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور کے وقت یہ آفت غالب ہو رہی تھی کہ دنیا کی تمام قوموں نے سیدھا راستہ توحید اور اخلاص اور حق پرستی کا چھوڑ دیا تھا اور نیز یہ بات بھی ہر یک کو معلوم ہے کہ اس فسادِ موجودہ کے اِصلاح کرنے والے اور ایک عالم کو

کو ظلماتِ شرک اور مخلوق پرستی سے نکال کر توحید پر قائم کرنے والے صرف آنحضرت ہی ہیں۔ کوئی دوسرا نہیں تو ان سب مقدمات سے نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرت خدا کی طرف سے سچے ہادی ہیں۔ چنانچہ اس دلیل کی طرف اللہ تعالےٰ نے اپنے پاک کلام میں آپ ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے :۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

(سورۃ النحل ۶۳ - ۶۵)

یعنی ہم کو اپنی ذات الوہیت کی قسم ہے جو مبداء فیضانِ ہدایت اور پرورش اور جامع تمام صفاتِ کاملہ ہے جو ہم نے تجھ سے پہلے دنیا کے کئی فرقوں اور قوموں میں پیغمبر بھیجے۔ پس وہ لوگ شیطان کے دھوکا دینے سے بگڑ گئے۔ سو وہی شیطان آج ان سب کا رفیق ہے۔ اور یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی کہ تا ان لوگوں کا رفع اختلافات کیا جائے اور جو امر حق ہے وہ کھول کر سنایا جائے اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ زمین ساری کی ساری مرگئی تھی۔ خدا نے آسمان سے پانی اتارا اور نئے سرے اس مردہ زمین کو زندہ کیا۔ یہ ایک نشانِ صداقت اس کتاب کا ہے پر ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں یعنی طالبِ حق ہیں۔

اب غور سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ تینوں مقدماتِ متذکرہ بالا جن سے ابھی ہم نے آنحضرت کے سچے ہادی ہونے کا نتیجہ نکالا تھا کس خوبی اور لطافت سے آیاتِ ممدوحہ میں درج ہیں۔ اوّل گمراہوں کے دلوں کو جو صدہا سال کی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے زمینِ خشک اور مردہ سے

تشبیہ دے کر اور کلامِ الٰہی کو مینہ کا پانی جو آسمان کی طرف سے آتا ہے. ٹھہرا کر اس قانونِ قدیم کی طرف اشارہ فرمایا جو امساکِ باراں کی شدت کے وقت میں ہمیشہ رحمتِ الٰہی بنی آدم کو برباد ہونے سے بچالیتی ہے اور یہ بات جتلا دی کہ یہ قانونِ قدرت صرف جسمانی پانی میں محدود نہیں بلکہ روحانی پانی بھی شدّت اور صعوبت کے وقت میں جو پھیل جانا عام گمراہی کا ہے ضرور نازل ہوتا ہے اور اس جگہ بھی رحمتِ الٰہی آفتِ قلوب کا غلبہ توڑنے کے لئے ضرور ظہور کرتی ہے اور پھر انہیں آیات میں یہ دوسری بات بھی بتلادی کہ آنحضرتؐ کے ظہور سے پہلے تمام زمین گمراہ ہو چکی تھی اور اسی طرح آخیر پہ یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ان روحانی مُردوں کو اس کلامِ پاک نے زندہ کیا اور آخر یہ بات کہہ کر اس میں اس کتاب کی صداقت کا نشان ہے۔ طالبینِ حق کو اس نتیجہ نکالنے کی طرف توجہ دلائی کہ فرقانِ مجید خدا کی کتاب ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۴ حاشیہ)

صداقتِ رسُول کریم صلعم پر واقعاتی شہادت

"انبیاء وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنی کامل راست بازی کی قوی حجّت پیش کر کے اپنے دشمنوں کو بھی الزام دیا جیسا کہ یہ الزام قرآن شریف میں ہے۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود ہے. جہاں فرمایا ہے:۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (سورۃ یونس الجزو ۱۱)

یعنی میں ایسا نہیں کہ جھوٹ بولوں اور افتراء کروں. دیکھو میں چالیس برس اس سے پہلے تم میں ہی رہتا رہا ہوں. کیا کبھی تم نے میرا کوئی جھوٹ یا افتراء ثابت کیا۔ پھر کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں یعنی یہ سمجھ کہ جس نے کبھی آج تک کسی قسم کا جھوٹ نہیں بولا وہ اب خدا پر کیوں جھوٹ بولنے لگا. غرض انبیاءؑ کے واقعاتِ عمری اور ان کی سلامت روشی ایسی بدیہی اور

ثابت ہے کہ اگر سب باتوں کو چھوڑ کر ان کے واقعات کو ہی دیکھا جائے تو ان کی صداقت انکے واقعات سے ہی روشن ہو رہی ہے مثلاً اگر کوئی منصف اور عاقل ان تمام براہین اور دلائل صدق نبوت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم سے قطع نظر کر کے محض ان کے حالات پر ہی غور کرے تو بلاشبہ انہیں حالات پر غور کرنے سے ان کے نبی صادق ہونے پر دل سے یقین کرے گا اور کیوں کر یقین نہ کرے وہ واقعات ہی ایسے کمال سچائی اور صفائی سے معطّر ہیں کہ حق کے طالبوں کے دل بلا اختیار ان کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔

خیال کرنا چاہیئے کہ کس استقلال سے آنحضرتؐ اپنے دعوائے نبوّت پر باوجود پیدا ہو جانے ہزاروں خطرات اور کھڑے ہو جانے لاکھوں معاندوں اور مزاحموں اور ڈرانے والوں کے اوّل سے آخر دم تک ثابت اور قائم رہے۔ برسوں تک وہ مصیبتیں دیکھیں اور وہ دکھ اٹھانے پڑے جو کامیابی سے بکلّی مایوس کرتے تھے اور روز بروز بڑھتے جاتے تھے کہ جن پر صبر کرنے سے کسی دنیوی مقصد کا حاصل ہو جانا وہم بھی نہیں گزرتا تھا۔ بلکہ نبوت کا دعوای کرنے سے از دست اپنی پہلی جمیعت کو بھی کھو بیٹھے اور ایک بات کہہ کر لاکھ تفرقہ خرید لیا۔ اور ہزاروں بلاؤں کو اپنے سر پر بلا لیا۔ وطن سے نکالے گئے۔ قتل کے لئے تعاقب کئے گئے۔ گھر اور اسباب تباہ و برباد ہو گیا۔ بارہا زہر دی گئی اور جو خیر خواہ تھے وہ بدخواہ بن گئے اور جو دوست تھے وہ دشمنی کرنے لگے۔ اور ایک زمانۂ دراز تک وہ تلخیاں اٹھانی پڑیں کہ جن پر ثابت قدمی سے ٹھہرے رہنا کسی فریبی اور مکّار کا کام نہیں ؛

اور پھر جب مدتِ مدید کے بعد غلبۂ اسلام کا ہوا تو ان دولت اور اقبال کے دنوں میں کوئی خزانہ اکٹھا نہ کیا۔ کوئی عمارت نہ بنائی۔ کوئی بارگاہ تیار نہ ہوئی۔ کوئی سامانِ شاہانہ عیش و عشرت کا تجویز نہ کیا گیا۔ کوئی اور ذاتی نفع نہ اٹھایا۔ بلکہ جو کچھ آیا وہ سب کچھ یتیموں اور مسکینوں اور بیوہ عورتوں اور مقروضوں کی خبر گیری میں خرچ ہوتا رہا اور کبھی ایک وقت بھی سیر ہو کر نہ

کھایا اور پھر صاف گوئی اِس قدر کہ توحید کا وعظ کر کے سب قوموں اور سارے فرقوں اور تمام جہان کے لوگوں کو جو شرک میں ڈوبے ہوئے تھے مخالف بنالیا جو اپنے اور خویش تھے ان کو بُت پرستی سے منع کر کے سب سے پہلے دشمن بنایا۔ یہودیوں سے بھی بات بگاڑ لی۔ کیونکہ ان کو طرح طرح کی مخلوق پرستی اور پیر پرستی اور بداعمالیوں سے رُ حضرت مسیحؑ کی تکذیب اور توہین سے منع کیا جس سے ان کا نہایت دِل جل گیا اور سخت عداوت پر آمادہ ہوگئے اور ہر دم قتل کر دینے کی گھات میں رہنے لگے۔ اسی طرح عیسائیوں کو بھی خفا کر دیا گیا۔ کیوں کہ جیسا کہ ان کا اعتقاد تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کو نہ خُدا نہ خدا کا بیٹا قرار دیا اور نہ ان کو پھانسی مل کر دوسروں کو بچانے والا تسلیم کیا۔ آتش پرست اور ستارہ پرست بھی ناراض ہو گئے کیونکہ ان کو بھی ان کے دیوتوں کی پرستش سے ممانعت کی گئی اور مدارِ نجات کا صرف توحید ٹھہرائی گئی۔

اب جائے اِنصاف ہے کہ کیا دنیا حاصل کرنے کی یہی تدبیر تھی کہ ہر ایک فرقہ کو ایسی صاف اور دل آزار باتیں سنائی گئیں کہ جس سے سب نے مخالفت پر کمر باندھلی۔ اور سب کے دِل ٹوٹ گئے۔ اور قبل اس کے کہ اپنی کچھ ذرہ بھی جمعیت بنی ہوتی یا کسی کا حملہ روکنے کے لئے کچھ طاقت بہم پہنچ جاتی سب کی طبیعت کو ایسا اشتعال دے دیا کہ جس سے وہ خون کرنے کے پیاسے ہو گئے۔ زمانہ سازی کی تدبیر تو یہ تھی کہ جیسا بعضوں کو جھوٹا کہا تھا ویسا ہی بعض کو سچا بھی کہا جاتا تا اگر بعض مخالف ہوتے تو بعض موافق بھی رہتے بلکہ اگر عربوں کو کہا جاتا کہ تمہارے ہی لات وعزیٰ سچے ہیں تو وہ تو اسی دم قدموں پر گر پڑتے اور جو چاہتے ان سے کراتے۔ کیوں کہ وہ سب خویش اور اقارب اور حمیت قومی میں بے مثل تھے اور ساری بات مانی منائی تھی۔ صرف تعلیم بت پرستی سے خوش ہو جاتے اور بدل وجان اطاعت اختیار کرتے لیکن سوچنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم کا یک لخت ہر خویش و بیگانہ سے بگاڑ لینا اور صرف توحید کو جو ان دنوں میں اس سے زیادہ دنیا کے لئے کوئی نفرتی چیز نہ تھی اور جس کے باعث سے صدہا مشکلیں پڑتی

جانی تھیں بلکہ جان سے مارے جانا نظر آتا تھا۔ مضبوط پکڑ لینا یہ کس مصلحت دنیوی کا تقاضا تھا اور جب کہ پہلے اسی کے باعث سے اپنی تمام دنیا اور جمعیت برباد کر چکے تھے تو پھر اسی بلا انگیز اعتقاد پر اصرار کر لینے سے کہ جس کو ظاہر کرتے ہی نو مسلمانوں کو قید اور زنجیر اور سخت سخت ماریں نصیب ہوئیں۔ کس مقصد کا حاصل کرنا مراد تھا۔ کیا دنیا کمانے کے لئے یہی ڈھنگ تھا کہ ہر ایک کو کلمۂ تلخ جو اس کی طبع اور عادت اور مرضی اور اعتقاد کے برخلاف تھا سنا کر سب کو ایک دم کے دم میں جانی دشمن بنا دیا۔ اور کسی ایک آدھ قوم سے بھی پیوند نہ رکھا۔ جو لوگ طامع اور مکار ہوتے ہیں کیا وہ ایسی ہی تدبیریں کیا کرتے ہیں۔ کہ جس سے دوست بھی دشمن ہو جائیں؟ جو لوگ کسی مکر سے دنیا کو کمانا چاہتے ہیں کیا ان کا یہی اصول ہوا کرتا ہے کہ یہ یکبارگی ساری دنیا کو عداوت کرنے کا جوش دلائیں اور اپنی جان کو ہر وقت کی فکر میں ڈال لیں؟ ... لیکن واقعاتِ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرنے سے یہ بات نہایت واضح اور نمایاں اور روشن ہے کہ آنحضرت ؐ اعلےٰ درجے کے یک رنگ اور صاف باطن اور خدا کے لئے جانباز اور خلقت کے بیم و امید سے بالکل منہ پھیرنے والے اور محض خدا پر توکل کرنے والے تھے کہ جنہوں نے خدا کی خواہش اور مرضی میں محو اور فنا ہو کر اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہ کی کہ توحید کی منادی کرنے سے کیا کیا بلا میرے سر پر آئے گی اور مشرکوں کے ہاتھ سے کیا کچھ دُکھ اور درد اٹھانا ہوگا۔ بلکہ تمام شدتوں اور سختیوں اور مشکلوں کو اپنے نفس پر گوارا کر کے اپنے مولا کا حکم بجالائے۔ اور جو جو شرط مجاہدہ اور وعظ اور نصیحت کی ہوتی ہے وہ سب پوری کی اور کسی ڈرانے والے کو کچھ حقیقت نہ سمجھا۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ تمام نبیوں کے واقعات میں ایسے مواضع خطرات اور پھر کوئی ایسا خدا پر توکل کر کے کھلا کھلے شرک اور مخلوق پرستی سے منع کرنے والا اور اس قدر دشمن اور پھر کوئی ایسا ثابت قدم اور استقلال کرنے والا ایک بھی ثابت نہیں۔ پس ذرا ایمانداری سے سوچنا چاہیئے کہ یہ سب حالات کیسے آنحضرت ؐ کی اندرونی صداقت پر دلالت کر رہے ہیں۔

ماسوا اس کے جب عاقل آدمی اِن حالات پر اور بھی غور کرے کہ وہ زمانہ کہ جس میں آنحضرتؐ مبعوث ہوئے حقیقت میں ایسا زمانہ تھا کہ جس کی حالت موجودہ ایک بزرگ اور عظیم القدر مصلح ربّانی اور ہادیٔ آسمانی کی اشد محتاج تھی اور جو جو تعلیم دی گئی وہ بھی واقعہ میں سچّی اور ایسی تھی کہ جس کی نہایت ضرورت تھی اور ان تمام امور کی جامع تھی کہ جس سے تمام ضرورت زمانہ کی پوری ہوتی تھیں اور پھر اس تعلیم نے اثر بھی ایسا کر دکھایا کہ لاکھوں دلوں کو حق اور راستی کی طرف کھینچ لائی اور لاکھوں سینوں پر لا الٰہ الا اللہ کا نقش جما دیا۔ اور جو نبوت کی علّتِ غائی ہوتی ہے۔ یعنی تعلیم اصولِ نجات کی۔ اس کو ایسا کمال تک پہنچایا جو کسی دوسرے نبی کے ہاتھ سے وہ کمال کسی زمانہ میں بہم نہیں پہنچا۔ تو ان واقعات پر نظر ڈالنے سے بلا اختیار یہ شہادت دل سے جوش مار کر نکلے گی کہ آنحضرتؐ ضرور خدا کی طرف سے سچّے ہادی ہیں۔

جو شخص تعصّب اور ضدیّت سے انکاری ہو اس کی مرض تو لا علاج ہے۔ خواہ وہ خُدا سے بھی منکر ہو جائے۔ ورنہ یہ سارے آثارِ صداقت جو آنحضرتؐ میں کامل طور پر جمع ہیں کسی اور نبی میں کوئی ایک تو ثابت کر کے دکھلا دے تا ہم بھی جانیں ۔۔۔۔ آج صفحۂ دنیا میں وہ شئے کہ جس کا نام توحید ہے بجز اُمّتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی فرقے میں نہیں پائی جاتی اور بجز قرآن شریف کے اور کسی کتاب کا نشان نہیں ملتا جو کروڑہا مخلوقات کو وحدانیتِ الٰہی پر قائم کرتی ہو۔ اور کمال تعظیم سے اس سچّے خدا کی طرف رہبر ہو۔ ہریک قوم نے اپنا اپنا مصنوعی خدا بنالیا اور مسلمانوں کا وہی خدا ہے جو قدیم سے لازوال اور غیر مبدّل اور اپنی ازلی صفتوں میں ایسا ہی ہے جو پہلے تھا:۔

سو یہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ جن سے ہادیٔ اسلام کا صدقِ نبوت اظہر من الشمس ہے کیونکہ معنے نبوت کے اور علّتِ غائی رسالت اور پیغمبری کی انہی کی ذاتِ بابرکات میں ثابت اور متحقق ہو رہی ہے۔ اور جیسا کہ مصنوعات سے صانع شناخت کیا جاتا ہے۔ ویسا ہی

غافل لوگ اصلاح موجودہ سے اس مصلح ربّانی کی شناخت کر رہے ہیں۔

اسی طرح ہزار ہا ایسے اور بھی واقعات ہیں کہ جن سے آنحضرت ؐ کا مؤیّد بتائیدِ الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً کیا یہ حیرت انگیز ماجرا نہیں کہ ایک بے زر بے زور بے کس اُمّی یتیم تنہا غریب ایسے زمانہ میں کہ جس میں کہ ہر ایک قوم پوری پوری طاقت مالی اور فوجی اور علمی رکھتی تھی۔ ایسی روشن تعلیم لایا کہ اپنی براہینِ قاطعہ اور حجج واضحہ سے سب کی زبان بند کر دی اور بڑے بڑے لوگوں کی جو حکیم بنے پھرتے تھے اور فیلسوف کہلاتے تھے فاش غلطیاں نکالیں اور پھر باوجود بے کسی اور غریبی کے زور بھی ایسا دکھایا کہ بادشاہوں کو تختوں سے گرا دیا۔ اور انہی تختوں پر غریبوں کو بٹھایا۔ اگر یہ خدا کی تائید نہیں تھی تو اور کیا تھی؟ کیا تمام دنیا پر عقل اور علم اور طاقت اور زور میں غالب آجانا بغیر تائیدِ الٰہی کے بھی ہوا کرتا ہے۔

خیال کرنا چاہیئے کہ جب آنحضرت ؐ نے پہلے پہل مکّہ کے لوگوں میں منادی کی کہ میں نبی ہوں اس وقت ان کے ہمراہ کون تھا اور کس بادشاہ کا خزانہ ان کے قبضے میں آ گیا تھا کہ جس پر اعتماد کر کے ساری دنیا سے مقابلہ کرنے کی ٹھہر گئی۔ یا کون سی فوج اکٹھی کر لی تھی کہ جس پر بھروسہ کر کے تمام بادشاہوں کے حملوں سے امن ہو گیا تھا۔ ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ اس وقت آنحضرت ؐ زمین پر اکیلے اور بے کس اور بے سامان تھے۔ صرف ان کے ساتھ خدا تھا جس نے ان کو ایک بڑے مطلب کے لئے پیدا کیا تھا۔

پھر ذرا اس طرف بھی غور کرنی چاہیئے کہ وہ کس مکتب میں پڑھے تھے اور کس سکول کا پاس حاصل کیا تھا اور کب انہوں نے عیسائیوں اور یہودیوں اور آریہ لوگوں وغیرہ دنیا کے فرقوں کی مقدّس کتابیں مطالعہ کی تھیں۔ پس اگر قرآن شریف کا نازل کرنے والا خدا نہیں ہے تو کیونکر اس میں تمام دُنیا کے علومِ حقّہ الٰہیہ لکھے گئے اور وہ تمام ادلّہ کاملہ علم الٰہیات کی کہ جن کے باستیفا اور بصحت لکھنے سے سارے منطقی اور معقولی اور فلسفی عاجز رہے اور ہمیشہ

غلطیوں ہی میں ڈوبتے ڈوبتے مر گئے وہ کس فلاسفر بے مثل و مانند نے قرآن شریف میں درج کردیں اور کیوں کر وہ اعلیٰ درجہ کی مدلّل تقریریں کہ جن کی پاک اور روشن دلائل کو دیکھ کر مغرور حکیم یونان اور ہند کے اگر کچھ شرم ہو تو جیتے ہی مر جائیں ایک غریب اُمّی کے ہونٹوں سے نکلیں۔ اس قدر دلائل صدق کی پہلے نبیوں میں کہاں موجود ہیں آج دنیا میں وہ کون سی کتاب ہے جو ان سب باتوں میں قرآن شریف کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ کس نبی پر وہ سب واقعات جو ہم نے بیان کئے مثل آنحضرتؐ کے گزرے ہیں۔

(براہینِ احمدیہ حصّہ دوم ص ۱۱۶ - ۱۲۸)

" انسانی فطرت شہادت دیتی ہے کہ جن نبیوں کی عام طور پر کروڑہا لوگوں میں قبولیّت پھیل جاتی ہے اور دلوں میں ان کی نہایت درجہ محبّت اور عظمت بیٹھ جاتی ہے۔ اور نصرت الٰہی بارش کی طرح ان پر برستی ہے۔ وہ ہرگز جھوٹے نہیں ہوتے۔ کیونکہ بد ذات مفتری کو جو خدا پر افتراء کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے وحی ہوئی اور خدا نے مجھ سے کلام کیا۔ حالانکہ نہ کوئی وحی اس پر نازل ہوئی اور نہ خدا نے کوئی اس سے کلام کیا۔ اس قدر عزّت ہرگز نہیں دی جاتی۔ جو شخص جائز رکھتا ہے۔ جو ایسی عزت مفتری کو بھی دی جاتی ہے اور ایسی مدد اور نصرت اور ایسے آسمانی نشان اس کذّاب دجّال کو بھی ملتے ہیں جو خدا پر افترا کرتا ہے ایسا شخص دراصل خدا پر ایمان نہیں رکھتا اور درپردہ دہریہ ہے:۔

یہی سچائی کی ایک زبردست دلیل ہے جو دنیا کے تمام نبیوں سے زیادہ ہمارے سیّد و مولیٰ اور ہمارے محترم آقا حضرتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اقبال اور عزّت اور خدا کی مدد اور نصرت جو ان کو ملی وہ کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔ آپؐ ایسے وقت میں آئے جو دنیا شرک اور بُت پرستی سے بھری ہوئی تھی۔ کوئی پتھر کی پوجا کرتا تھا اور کوئی آگ کی پرستش میں مشغول تھا اور کوئی سورج کے آگے ہاتھ جوڑتا تھا۔ کوئی پانی کو اپنا

پرمیشر خیال کرتا تھا اور کوئی انسان کو خدا بنائے بیٹھا تھا۔ علاوہ اس کے زمین ہر ایک قسم کے گناہ اور ظلم اور فساد سے بھری ہوئی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اس زمانہ کی موجودہ حالت کے بارے میں قرآن شریف میں خود گواہی دی ہے اور فرماتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔" یعنی دریا بھی بگڑ گئے اور خشک زمین بھی بگڑ گئی۔ مطلب یہ کہ جس قوم کے ہاتھ میں کتاب آسمانی تھی وہ بھی بگڑ گئی اور جن کے ہاتھ میں کتاب آسمانی نہیں تھی اور خشک جنگل کی طرح تھے وہ بھی بگڑ گئے اور یہ امر ایک ایسا سچا واقعہ ہے کہ ہر ایک ملک کی تاریخ اس پر گواہِ ناطق ہے۔ کیا آریہ ورت کے دانا مؤرّخ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور کا زمانہ درحقیقت ایسا ہی تھا اور بُت خانوں کو اس قدر عزّت دی گئی تھی کہ گویا وید کا اصل مذہب یہی ہے۔

اور کیا عیسائی صاحبان اس اقرار سے کہیں بھاگ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں نہ صرف حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کو خدائے واحد لاشریک کی جگہ بٹھایا گیا تھا بلکہ ان کی تصویر بھی ایک قسم کا خُدا ہی سمجھی گئی تھی اور ان کی والدہ بھی اس خُدائی میں شریک ٹھہرائی گئی تھی۔ پھر جب ہمارے بزرگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظاہر ہوئے تو ایک انقلابِ عظیم دنیا میں آیا اور تھوڑے ہی دنوں میں وہ جزیرۂ عرب جو بجز بُت پرستی کے اور کچھ بھی نہیں جانتا تھا ایک سمندر کی طرح خدا کی توحید سے بھر گیا۔۔۔۔۔۔

پس ہم نے ایک ایسے نبیؐ کا دامن پکڑا ہے جو خدا نما ہے۔ کسی نے یہ شعر بہت ہی اچھا کہا ہے:۔ ؎

محمدؐ عربی بادشاہ ہے ہر دوسرا   کرے ہے رُوح قدس جس کے دَر کی دربانی
اُسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں   کہ اس کی مرتبہ دانی میں ہے خُدا دانی

ہم کس زبان سے خُدا کا شکر کریں جس نے ایسے نبیؐ کی پیروی ہمیں نصیب کی جو سعدوں کی

ارواح کے لئے آفتاب ہے۔ جیسے اجسام کے لئے سُورج۔ وہ اندھیرے کے وقت ظاہر ہوا اور دنیا کو اپنی روشنی سے روشن کر دیا۔ وہ نہ تھکا نہ ماندہ ہوا جب تک کہ عرب کے تمام حصّہ کو شرک سے پاک نہ کر دیا۔ وہ اپنی سچائی کی آپ دلیل ہے کیونکہ اس کا نور ہر ایک زمانہ میں موجود ہے۔ اور اسکی سچّی پیروی انسان کو یوں پاک کرتی ہے کہ جیسا ایک صاف اور شفاف دریا کا پانی میلے کپڑے کو۔ (چشمۂ معرفت حصہ دوم صـ ۲۸۹)

اور رجوع خلائق اور قبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج کم سے کم بیس کروڑ ہر طبقہ کے مسلمان آپؐ کی غلامی میں کمربستہ کھڑے ہیں اور رجب سے خدا نے آپؐ کو پیدا کیا ہے بڑے بڑے زبردست بادشاہ جو ایک دنیا کو فتح کرنے والے تھے آپؐ کے قدموں پر ادنیٰ غلاموں کی طرح گر رہے ہیں۔ اور اس وقت کے اسلامی بادشاہ بھی ذلیل چاکروں کی طرح آنجناب ؐ کی خدمت میں اپنے تئیں سمجھتے ہیں اور نام لینے سے تخت سے اُتر آتے ہیں ؛

اب سوچنا چاہیئے کہ کیا یہ عزت، کیا یہ شوکت، کیا یہ اقبال، کیا یہ جلال کیا یہ ہزار ہا نشانِ آسمانی، کیا یہ ہزاروں برکاتِ ربّانی، جھوٹے کو بھی مل سکتی ہیں؟ ہمیں بڑا فخر ہے کہ جس نبی علیہ السلام کا ہم نے دامن پکڑا ہے۔ خدا کا اس پر بڑا ہی فضل ہے۔ وہ خدا تو نہیں۔ مگر اس کے ذریعہ سے ہم نے خدا کو دیکھ لیا ہے۔ اس کا مذہب جو ہمیں ملا ہے خدا کی طاقتوں کا آئینہ ہے۔ اگر اسلام نہ ہوتا تو اس زمانہ میں اس بات کا سمجھنا محال تھا کہ نبوت کیا چیز ہے اور کیا معجزات بھی ممکنات میں سے ہیں اور کیا وہ قانونِ قدرت میں داخل ہیں اس عقدے کو اسی نبیؐ کے دائمی فیض نے حل کیا اور اسی کے طفیل سے ہم دوسری قوموں کیطرح صرف قصّہ گو نہیں ہیں بلکہ خدا کا نور اور خدا کی آسمانی نصرت ہمارے شاملِ حال ہے۔ ہم کیا چیز ہیں جو اس شکر کو ادا کر سکیں کہ وہ خدا جو دوسروں پر مخفی ہے اور وہ پوشیدہ طاقت جو دوسروں سے نہاں در نہاں ہے۔ وہ ذوالجلال خدا محض اس نبی کریمؐ کے ذریعہ سے ہم پر ظاہر ہو گیا۔ (چشمۂ معرفت صـ ۷ تا ۱۰)

رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقام

آنحضرتؐ کا مقام اور قربِ الٰہی

جناب سیّدنا و مولانا سیّد الکل و افضل الرسل حضرت خاتم النبیین محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے ایک اعلیٰ مقام اور برتر مرتبہ ہے جو اسی ذاتِ کامل الصفات پر ختم ہو گیا ہے۔ جس کی کیفیّت کو پہنچنا بھی کسی دُوسرے کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے۔

شانِ احمدؐ را کہ داند جز خداوندِ کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم
زاں نمط شد محوِ دلبر کز کمالِ اتحّاد
پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم
بوئے محبوبِ حقیقی می دہد زاں روئے پاک
ذاتِ حقّانی صفاتش مظہرِ ذاتِ قدیم
گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال
چوں دِلِ احمدؐ نمے بینم دگر عرشِ عظیم
منت ایزد را کہ من برغم اہلِ روزگار
صد بلا را میخرم از ذوقِ آں عین النعیم
از عنایاتِ خدا و از فضلِ آں دادارِ پاک
دشمنِ فرعونیانم بہرِ عشقِ آں کلیم،

آں مقام و رتبتِ خاصش کہ بر من شد عیاں
گفتنے گر دیدے طبعے دریں راہے سلیم
در رہ عشقِ محمدؐ ایں سر و جانم رود
ایں تمنا ایں دعا ایں در دلم عزمِ صمیم

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ عالیہ کی شناخت کے لئے اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ مراتب قرب و محبت باعتبار اپنے روحانی درجات کے تین قسم پر منقسم ہیں۔

سب سے ادنیٰ درجہ جو درحقیقت وہ بھی بڑا ہے یہ ہے کہ آتشِ محبت الٰہی لوحِ قلب انسان کو گرم تو کرے اور ممکن ہے کہ ایسا گرم کرے کہ بعض آگ کے کام اس محرور سے ہو سکیں لیکن بہ کسر باقی رہ جائے کہ اس متاثر میں آگ کی چمک پیدا نہ ہو۔ اس درجہ کی محبت پر جب خدا تعالےٰ کی محبّت کا شعلہ واقع ہو تو اس شعلہ سے جس قدر روح میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو سکینت و اطمینان اور کبھی فرشتہ و مَلک کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

دُوسرا درجہ محبّت کا وہ ہے جس میں دونوں محبتوں کے ملنے سے آتشِ محبّتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو اس قدر گرم کرتی ہے کہ اس میں آگ کی صورت پر ایک چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس چمک میں کسی قسم کا اشتعال یا بھڑک نہیں ہوتی۔ فقط ایک چمک ہوتی ہے جس کو رُوح القدس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے جس میں ایک نہایت افروختہ شعلہ محبتِ الٰہی کا انسانی محبّت کے مستعد فتیلہ پر پڑ کر اس کو افروختہ کر دیتا ہے۔ اور اس کے تمام اجزا اور تمام رگ و ریشہ پر استیلاء پکڑ کر اپنے وجود کا اتم اور اکمل مظہر اس کو بنا دیتا ہے اور اس حالت میں آتشِ محبتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو نہ صرف ایک چمک بخشتی ہے بلکہ

معاً اس چمک کے ساتھ تمام وجود بھڑک اٹھتا ہے۔ اور اس کی لوئیں اور شعلے ارد گرد کو روزِ روشن کی طرح روشن کر دیتے ہیں۔ اور کسی قسم کی تاریکی باقی نہیں رہتی اور پورے طور پر اور تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ وہ سارا وجود آگ ہی آگ ہو جاتا ہے۔ اور یہ کیفیّت جو ایک آتشِ افروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو رُوح امین کے نام سے بولتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر یک تاریکی سے امن بخشتی ہے۔ اور ہر یک غبار سے خالی ہے۔ اور اس کا نام شدید القوٰی بھی ہے۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتِ وحی ہے جس سے قوی تر وحی متصوّر نہیں اور اس کا نام ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے کیونکہ یہ وحی الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلّی ہے اور اس کو راٰی مارایٰ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کیفیّت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور گمان اور وہم سے باہر ہے۔

اور یہ کیفیّت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسانِ کامل ہے۔ جس پر تمام سلسلہ انسانیہ کا ختم ہو گیا۔ اور دائرہ استعداداتِ بشریہ کا کمال کو پہنچا ہے۔ اور وہ درحقیقت پیدائشِ الٰہی کے خطِ ممتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے جو ارتفاع کے تمام مراتب کا انتہا ہے حکمتِ الٰہی کے ہاتھ نے ادنیٰ سے ادنیٰ خلقت سے اور اسفل سے اسفل مخلوق سے سلسلہ پیدائش کا شروع کر کے اس اعلیٰ درجہ کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے۔ جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمّد ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلّم جس کے معنے یہ ہیں کہ نہایت تعریف کیا گیا۔ یعنی کمالاتِ تامّہ کا مظہر۔ سو جیسا کہ فطرت کے رُو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطا ہوا۔ اور اعلیٰ اور ارفع مقام محبّت کا ملا۔ یہ وہ مقامِ عالی ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کا نام مقامِ جمع اور مقامِ وحدت تامّہ ہے۔ پہلے نبیوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف آوری کی خبر دی ہے۔ اسی نشان تک خبر دی ہے اور اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور جیسا مسیحؑ اور اس عاجز کا مقام ایسا ہے کہ اس کو استعارہ کے طور پر ابنیت کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی یہ وہ مقام عالی شان مقام ہے کہ گذشتہ نبیوں نے استعارہ کے طور پر صاحبِ مقامِ ہٰذا کے ظہور کو خدا تعالےٰ کا ظہور قرار دے دیا ہے۔ اور اس کا آنا خدا تعالےٰ کا آنا ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے بھی ایک مثال کو پیش کر کے فرمایا ہے کہ انگورستان کا پھل لینے کے لئے اوّل باغ کے مالک نے (جو خدا تعالیٰ ہے) اپنے نوکروں کو بھیجا۔ یعنی ابتدائی کے قرب والوں کو جس سے مُراد وہ تمام صلحاء ہیں جو حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں اور اسی صدی میں اور کسی قدر ان سے پہلے آئے۔ پھر جب باغبانوں نے باغ کا پھل دینے سے انکار کیا تو باغ کے مالک نے تاکید کے طور پر اپنے بیٹے کو ان کی طرف روانہ کیا۔ تا اس کو بیٹا سمجھ کر باغ کا پھل اس کے حوالہ کریں۔ بیٹے سے مراد اس جگہ مسیحؑ ہے جن کو دوسرا درجہ قرب اور محبّت کا حاصل ہے۔ مگر باغبانوں نے اس بیٹے کو بھی باغ کا پھل نہ دیا۔ بلکہ اپنے زعم میں اسے قتل کر دیا۔ بعد اس کے حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ اب باغ کا مالک خود آئے گا۔ یعنی خدا تعالےٰ خود ظہور فرمائے گا۔ تا باغبانوں کو قتل کر کے باغ کو ایسے لوگوں کو دے دے کہ اپنے وقت پر پھل دے دیا کریں۔ اس جگہ خدا تعالیٰ کے آنے سے مُراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا ہے جو قرب اور محبّت کا تیسرا درجہ اپنے لئے حاصل رکھتے ہیں۔

اور یہ سب روحانی مراتب ہیں کہ جو استعارہ کے طور پر مناسبِ حال الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ نہیں کہ حقیقی ابنیت اس جگہ مراد ہے یا حقیقی الوہیت مُراد لی گئی ہے۔

(توضیح مرام صـــ ۲۳-۲۲)

⁂

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات

گمشدہ توحید کا احیاء

توحید کا موجب اور توحید کا پیدا کرنے والا اور توحید کا باپ اور توحید کا سرچشمہ اور توحید کا مظہرِ اتم صرف نبی ہی ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے خدا کا مخفی چہرہ نظر آتا ہے۔ اور پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے۔

بات یہ ہے کہ ایک طرف تو حضرت احدیت جلّشانہ کی ذات نہایت درجہ استغناء اور بے نیازی میں پڑی ہے۔ اس کو کسی کی ہدایت اور ضلالت کی پروا نہیں اور دوسری طرف وہ بالطبع یہ بھی تقاضا فرماتا ہے کہ وہ شناخت کیا جائے اور اس کی رحمتِ ازلی سے لوگ فائدہ اٹھاویں۔ پس وہ ایسے دل پر جو اہلِ زمین کے تمام دلوں میں سے محبت اور قرب اور سبحانہٗ کا حاصل کرنے کے لئے کمال درجہ پر فطرتی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور نیز کمال درجہ کی ہمدردی بنی نوع اس کی فطرت میں ہے تجلی فرماتا ہے۔ اور اس پر اپنی ہستی اور صفاتِ ازلیہ ابدیہ کے انوار ظاہر کرتا ہے اور اس طرح وہ خاص اور اعلیٰ فطرت کا آدمی جس کو دوسرے لفظوں میں نبی کہتے ہیں۔ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے۔

پھر وہ نبی بوجہ اس کے کہ ہمدردی بنی نوع کا اس کے دل میں کمال درجہ پر جوش ہوتا ہے اور اپنی روحانی توجہات اور تضرع اور انکسار سے یہ چاہتا ہے کہ وہ خدا جو اس پر ظاہر ہوا ہے دوسرے لوگ بھی اس کو شناخت کریں اور نجات پاویں۔ اور وہ دلی خواہش سے اپنے وجود کی قربانی خدا تعالےٰ کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس تمنا سے کہ لوگ زندہ ہو جائیں کئی موتیں

اپنے اوپر قبول کر لیتا ہے اور بڑے مجاہدات میں اپنے تئیں ڈالتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے :۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوا مُؤْمِنِیْنَ۔

تب اگرچہ خدا مخلوق سے بے نیاز اور مستغنی ہے مگر اس کے دائمی غم اور حزن اور کرب و قلق اور تذلّل اور نیستی اور نہایت درجہ کے صدق اور صفا پر نظر کر کے مخلوق کے مستعد دلوں پر اپنے نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ ظاہر کر دیتا ہے۔ اور اس کی پر جوش دعاؤں کی تحریک سے جو آسمان پر ایک صعب ناک شور ڈالتی ہے خدا تعالےٰ کے نشان زمین پر بارش کی طرح برستے ہیں اور عظیم الشان خوارق دنیا کے لوگوں کو دکھلائے جاتے ہیں جن سے دنیا دیکھ لیتی ہے۔ کہ خدا ہے۔ اور خدا کا چہرہ نظر آتا ہے۔ لیکن اگر وہ پاک نبی اس قدر دعا اور تضرّع اور ابتہال سے خدا کی طرف توجہ نہ کرتا اور خدا کے چہرہ کی چمک دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے اپنی قربانی نہ دیتا اور ہر ایک قدم میں صدہا موتیں قبول نہ کرتا تو خدا کا چہرہ دنیا پر ہرگز ظاہر نہ ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ بوجہ استغناء ذاتی کے بے نیاز ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے :۔

” واللہ غنی عن العٰلمین اور والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا “

یعنی خدا تو تمام دنیا سے بے نیاز ہے اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور ہماری طلب میں کوشش کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ انہی کے لئے ہمارا یہ قانونِ قدرت ہے کہ ہم ان کو اپنی راہ دکھلا دیا کرتے ہیں۔

سو خدا کی راہ میں سب سے اوّل قربانی دینے والے نبی ہیں۔ ہر ایک اپنے لئے کوشش کرتا ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام دوسروں کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ لوگ سوتے ہیں اور وہ ان کے لئے جاگتے ہیں۔ اور لوگ ہنستے ہیں اور وہ ان کے لئے روتے ہیں۔ اور دنیا کی رہائی کے لئے ہر ایک مصیبت کو بخوشی اپنے پر وارد کر لیتے ہیں۔ یہ سب اس لئے کرتے ہیں کہ تا خدا تعالےٰ

کچھ ایسی تجلی فرماوے کہ لوگوں پر ثابت ہوجاوے کہ خدا موجود ہے اور مستعد دلوں پر اس کی ہستی اور اس کی توحید منکشف ہوجاوے تاکہ وہ نجات پائیں۔ پس وہ جانی دشمنوں کی ہمدردی میں مر رہتے ہیں اور جب انتہا درجہ پر ان کا درد پہنچتا ہے اور ان کی دردناک آہوں سے (جو مخلوق کی رہائی کے لئے ہوتی ہیں) آسمان پُر ہوجاتا ہے۔ تب خدا تعالےٰ اپنے چہرہ کی چمک دکھلاتا ہے اور زبردست نشانوں کے ساتھ اپنی ہستی اور اپنی توحید لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ پس اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کی متاع رسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے۔ بغیر اس کے ہرگز نہیں مل سکتی۔

اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا کہ ایک قوم جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی ان کو نجاست سے اٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا اور وہ جو روحانی بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے ان کے آگے روحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دیئے۔ ان کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا۔ پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا اور اس قدر ان کے لئے نشان ظاہر کئے کہ ان کو خدا دکھلا دیا۔ اور ان میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ انہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ یہ تاثیر کسی اور نبی سے اپنی امت کی نسبت ظہور میں نہ آئی کیونکہ ان کے صحبت یاب ناقص رہے۔

پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی۔ وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اسکو

دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اسکے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذرّیت شیطان ہے۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبیؐ کے ذریعے سے اور اس کے نُور سے ملی ہے۔ اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں۔ اسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسّر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نجات تو دو امر پر موقوف ہے :۔

۱۔ ایک یہ کہ یقینِ کامل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان لاوے

۲۔ دُوسرے یہ کہ ایسی کامل محبّت حضرت احدیت جلشانہٗ کی اس کے دل میں جاگزین ہو کہ جس کے استیلا اور غلبہ کا یہ نتیجہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت عین اس کی راحتِ جان ہو۔ جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے اور اس کی محبّت تمام اغیار کی محبتوں کو پامال اور معدوم کر دے۔ یہی توحید حقیقی ہے۔ کہ بجز متابعت ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ کیوں حاصل نہیں ہو سکتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی ذات غیب الغیب اور وراء الوراء اور نہایت مخفی واقع ہوئی ہے۔ جس کو عقولِ انسانیہ محض اپنی طاقت سے دریافت نہیں کر سکتیں اور کوئی برہان عقلی اس کے وجود پر قطعی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب سوچو کہ یہ خیال کس قدر باطل اور بدبُودار ہے کہ بغیر وسیلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے توحید میسّر آسکتی ہے۔ اور اس سے انسان

نجات پا سکتا ہے۔ اے نادانو! جب تک خدا کی ہستی پر یقین کامل نہ ہو اس کی توحید پر کیوں کر یقین ہو سکے۔ پس یقیناً سمجھو کہ توحید یقینی محض نبی کے ذریعہ سے ہی مل سکتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے عرب کے دہریوں اور بد مذہبوں کو ہزارہا آسمانی نشان دکھلا کر خدا تعالیٰ کے وجود کا قائل کر دیا۔ اور اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سچی اور کامل پیروی کرنے والے ان نشانوں کو دہریوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

بات یہی سچ ہے کہ جب تک زندہ خدا کی زندہ طاقتیں انسان مشاہدہ نہیں کرتا شیطان اس کے دِل میں سے نہیں نکلتا اور نہ سچّی توحید اس کے دِل میں داخل ہوتی ہے۔ اور نہ یقینی طور پر خُدا کی ہستی کا قائل ہو سکتا ہے۔ اور یہ پاک اور کامل توحید صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ سے ملتی ہے۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۳ تا ۱۱۵)

کامل نبی اور کامل انسان

" وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پُر زور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسانِ کامل کہلایا ۔۔۔۔۔۔ وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسانِ کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیّین جناب محمد مصطفٰے صلعم ہیں۔ اے پیارے خُدا اس پیارے نبیؐ پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداء دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ اگر یہ عظیم الشان نبی دنیا میں نہ آتا تو پھر جس قدر چھوٹے چھوٹے نبی دنیا میں آئے جیسا

کہ یونسؑ اور ایوبؑ اور مسیحؑ ابن مریم اور ملاکیؑ اور یحییٰؑ اور زکریاؑ وغیرہ وغیرہ۔ ان کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تھی اگرچہ سب مقربؑ اور وجیہ اور خداتعالےٰ کے پیارے تھے۔ یہ اسی نبی کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دنیا میں سچے سمجھے گئے۔

اللھم صل وسلم وبارك عليه وآله واصحابه اجمعين واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين ط

(اتمام الحجہ صہ۲۸)

آنحضرتؐ کی عالمگیر ہمدردی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل میں فرماتے ہیں کہ مجھے دوسری قوموں سے سروکار نہیں۔ میں صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں۔ یعنی میری ہمدردی صرف یہودیوں تک محدود ہے مگر قرآن شریف میں صاف لکھا ہے کہ دوسری قوموں سے بھی ہمدردی کرو۔ جیسا کہ اپنی قوم کے لئے اور دوسری قوموں کو بھی معاف کرو جیسا کہ اپنی قوم کو۔ کیونکہ قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف قریش کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ بلکہ لکھا ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے " قل یاایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔" یعنی لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ صرف ایک قوم کے لئے اور پھر دوسری جگہ فرمایا:۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

یعنی ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کے لئے تجھے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جائے۔ پس جیسا کہ خدا تمام جہاں کا خدا ہے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لئے رحمت ہیں اور آپؐ کی ہمدردی تمام دنیا سے ہے نہ کسی خاص قوم سے۔ (چشمۂ معرفت صہ۱۶)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم یکتا مطاع ہیں

اس کے بعد خدائے واحد کا بندہ احمد کہتا ہے۔ خدا اسے عافیت میں رکھے اور تائید میں رہے کہ ...... بجز خُدا کے مجھ کو کسی نے نہیں سمجھایا اور وہ سب سمجھانے والوں سے بہتر ہے .... اس نے مجھ کو سکھلایا اور سمجھایا .... اور مجھے الہام کیا کہ دین اللہ اسلام ہی ہے اور سچّا رسول مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم سردار امام ہے۔ جو رسُول اُمّی امین ہے۔ پس جیسا کہ عبادت صرف خدا کے لئے ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے اسی طرح ہمارا رسول اسبات میں واحد ہے کہ اسکی پیروی کی جاوے اور اس بات میں واحد ہے کہ وہ خاتم الانبیاء ہے۔

(منن الرحمٰن صفحہ ۳۱ تا ۳۹ ترجمہ عربی)

آنحضرتؐ کا دُنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو دعوت دینا

"قرآن شریف نے ہی کھلے طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ قل یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا۔ یعنی تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تم سب کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں اور پھر فرماتا ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ یعنی میں نے تمام عالموں کے لئے تجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور پھر فرمایا: لیکون للعالمین نذیراً یعنی ہم نے اس لئے بھیجا ہے کہ تمام دنیا کو ڈراوے لیکن ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے پہلے دنیا کی کسی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک نے اپنی رسالت کو اپنی قوم تک ہی محدود رکھا یہاں تک کہ جس نبی کو عیسائیوں نے خدا قرار دیا اس کے منہ سے بھی یہی نکلا کہ میں اسرائیل کی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ اور زمانہ کے حالات نے بھی گواہی دی کہ قرآن شریف کا یہ دعویٰ تبلیغ عام کا عین موقعہ پر ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور کے

وقت تبلیغ عام کا دروازہ کھل گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے بعد نزول اس آیت کے کہ "قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی طرف دعوتِ اسلام کے خط لکھے تھے۔ کسی اور نبی نے غیر قوموں کے بادشاہوں کی طرف دعوتِ دین کے ہرگز خط نہیں لکھے کیونکہ وہ دُوسری قوموں کی دعوت کے لئے مامور نہ تھے یہ عام دعوت کی تحریک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ہی شروع ہوئی اور مسیح موعود کے زمانہ میں اور اس کے ہاتھ سے کمال تک پہنچی۔

جو کچھ قرآن شریف نے توحید کا تخم بلادِ عرب، فارس، مصر، شام، ہند، چین، افغانستان کشمیر وغیرہ بلاد میں بو دیا ہے۔ اور اکثر بلاد سے بُت پرستی اور دیگر اقسام کی مخلوق پرستی کا تخم جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔ یہ ایک ایسی کارروائی ہے کہ اس کی نظیر کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی۔

(چشمۂ معرفت صفحہ ۶۸-۶۹)

ہر ایک نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل ہے

"قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ہر ایک نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ پس اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہوئے۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۳۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارِ الٰہیہ میں اکملیت

"چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی و انشراحِ صدری و عصمت و حیاء و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشقِ الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے

افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلی و اصفی تھے۔ اس لئے خدائے جلشانہٗ نے ان کو عطر کمالاتِ خاصّہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دِل جو تمام اوّلین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اوّلین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفاتِ الٰہیہ کے دکھلانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔ سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالاتِ عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحفِ سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے۔ کوئی ذہن ایسی صداقت نکال نہیں سکتا جو پہلے ہی سے اس میں درج نہ ہو کوئی فکر ایسی برہانِ عقلی پیش نہیں کر سکتا جو پہلے ہی سے اس نے پیش نہ کی ہو۔ کوئی تقریر ایسا قوی اثر کسی دل پر ڈال نہیں سکتی جیسے قوی اور پُر برکت اثر لاکھوں دلوں پر وہ ڈالتا آیا ہے وہ بلاشبہ صفاتِ کمالیہ حق تعالیٰ کا ایک نہایت مصفّا آئینہ ہے۔ جس میں سے وہ سب کچھ ملتا ہے۔ جو ایک سالک کو مدارج عالیہٴ معرفت تک پہنچنے کے لئے درکار ہے۔

(سرمہ چشم آریہ ص۱۸ حاشیہ)

اتباعِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی برکات

اللہ تعالےٰ جل شانہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے ..... قُل رب ذ دنی علمًا۔ یعنی اے میرے رب تو مجھے اپنی عظمت اور معرفت شیون اور صفات کا علم کامل بخش۔ اور پھر دُوسری جگہ فرمایا وبذالك امرت وانا اوّل المسلمین اِن دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جو اوّل المسلمین ٹھہرے تو اس کا یہی باعث ہوا کہ اوروں کی نسبت علوم معرفتِ الٰہی میں اعلم ہیں یعنی علم ان کا معارف الٰہیہ کے بارے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے ان کا اسلام بھی سب سے اعلیٰ ہے۔ اور وہ اوّل المسلمین ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس زیادتِ علم کی طرف اس دوسری آیت میں بھی اشارہ ہے۔ جیساکہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے ا۔ وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما۔ الجز ۵، یعنی خدا تعالےٰ نے تجھ کو وہ علوم عطا کئے جو تو خود بخود نہیں جان سکتا تھا اور فضل الٰہی سے فیضانِ الٰہی سب سے زیادہ تیرے پر ہوا۔ یعنے تو معارف الٰہیہ اور اسرار اور علومِ ربّانی میں سب سے بڑھ گیا۔ اور خدا تعالےٰ نے اپنی معرفت کے عطر کے ساتھ سب سے زیادہ تجھے معطّر کیا۔ غرض علم اور معرفت کو خدا تعالےٰ نے حقیقت اسلامیہ کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ اور اگرچہ حصولِ حقیقتِ اسلام کے وسائل اور بھی ہیں جیسے صوم وصلوٰۃ اور دُعا اور تمام احکام الٰہی جو چھ سو سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ لیکن علم، عظمت و وحدانیت ذات اور معرفتِ شیون وصفاتِ جلالی وجمالی حضرت باری عز اسمہٗ وسیلۃ الوسائل اور سب کا موقوف علیہ ہے کیونکہ جو شخص غافل دِل اور معرفتِ الٰہی سے بکلّی بے نصیب ہے وہ کب توفیق پا سکتا ہے کہ صوم وصلوٰۃ بجالاوے یا دعا کرے یا اور خیرات کی طرف مشغول ہو ان سب اعمالِ صالحہ کا محرک تو معرفت ہی ہے۔ اور یہ تمام دُوسرے وسائل دراصل اسی کے

پیدا کردہ اور اسی کے بنین و بنات ہیں اور ابتداء اس معرفت کی پر تو اسم رحمانیت سے ہے نہ کسی عمل سے نہ کسی دُعا سے بلکہ بلا علّت فیضان سے صرف ایک موہبت ہے یھدی من یشاء و یضل من یشاء مگر پھر یہ معرفت اعمال صالحہ اور حسن ایمان کے شمول سے زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آخر الہام اور کلامِ الٰہی کے رنگ میں نزول پکڑ کر تمام صحن سینہ کو اس نُور سے منور کر دیتی ہے۔ جس کا نام اسلام ہے۔ اور اس معرفتِ تامہ کے درجہ پر پہنچ کر اسلام صرف لفظی اسلام نہیں رہتا بلکہ وہ تمام حقیقت اس کی جو ہم بیان کر چکے ہیں حاصل ہو جاتی ہے اور انسانی رُوح نہایت انکسار سے حضرت احدیت میں اپنا سر رکھ دیتی ہے تب دونوں طرف سے یہ آواز آتی ہے کہ جو میرا سو تیرا ہے۔ یعنی بندہ کی رُوح بھی بولتی ہے اور اقرار کرتی ہے کہ یا الٰہی جو میرا ہے سو تیرا ہے اور خدا تعالیٰ بھی بولتا ہے اور بشارت دیتا ہے کہ اے میرے بندے جو کچھ زمین و آسمان وغیرہ میرے ساتھ ہے وہ سب تیرے ساتھ ہے۔ اسی مرتبہ کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے :۔

"قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ ان اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعًا" الجزء ۲۴۔ سورۃ الزمر یعنی کہہ اے میرے غلامو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے کہ تم رحمتِ الٰہی سے نا اُمید مت ہو خدا تعالےٰ سارے گناہ بخش دے گا۔ اب اس آیت میں بجائے قل یا عباد اللّٰہ کے جس کے معنے یہ ہیں کہ کہہ اے خدا تعالیٰ کے بندو یہ فرمایا کہ قل یا عبادی یعنی کہ اے میرے غلامو اس طرز کے اختیار کرنے میں بھید یہی ہے کہ یہ آیت اس لئے نازل ہوئی ہے کہ تا خدا تعالےٰ بے انتہا رحمتوں کی بشارت دیوے اور جو لوگ کثرت گناہوں سے دل شکستہ ہیں ان کو تسکین بخشے۔ سو اللہ جل شانہٗ نے اس آیت میں چاہا کہ اپنی رحمتوں کا ایک نمونہ پیش کرے اور بندہ کو دکھلاوے کہ میں کہاں تک اپنے وفادار بندوں کو انعامات خاصہ سے مشرّف کرتا ہوں۔ سو اس نے قل یا عبادی کے لفظ سے یہ ظاہر کیا کہ دیکھو یہ میرا پیارا رسول دیکھو یہ برگزیدہ بندہ کہ کمال طاعت سے کس درجہ تک پہنچا کہ اب جو کچھ میرا ہے۔ وہ اس کا ہے۔

جو شخص نجات چاہتا ہے وہ اس کا غلام ہو جائے یعنی ایسا اس کی طاعت میں محو ہو جائے کہ گویا اس کا غلام ہے تب وہ گو کیسا ہی پہلے گنہگار تھا بخشا جائے گا جاننا چاہیئے کہ عبد کا لفظ لغت عرب میں غلام کے معنوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے: ولعبد مومن خیر من مشرک اور اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اپنی نجات چاہتا ہے وہ اس نبی سے غلامی کی نسبت پیدا کرے یعنی اس کے حکم سے باہر نہ جائے اور اس کے دامن طاعت سے اپنے تئیں وابستہ جانے جیسا کہ غلام جانتا ہے تب وہ نجات پائے گا ۞

اس مقام میں ان کور باطن نام کے موحدوں پر افسوس آتا ہے کہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں تک بغض رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ نام کہ غلام نبی، غلام رسول، غلام مصطفیٰ، غلام احمد، غلام محمد، شرک میں داخل ہیں اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ مدارِ نجات یہی نام ہیں اور چونکہ عبد کے مفہوم میں یہ داخل ہے۔ کہ ہر ایک آزادگی اور خود روی سے باہر آ جائے اور پورا متبع اپنے مولیٰ کا ہو اس لیئے حق کے طالبوں کو یہ رغبت دی گئی کہ اگر نجات چاہتے ہیں تو یہ مفہوم اپنے اندر پیدا کریں۔ اور درحقیقت یہ آیت اور یہ دوسری آیت قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم از روئے مفہوم کے ایک ہی ہیں کیونکہ کمالِ اتباع اس محویت اور اطاعت تامہ کو مستلزم ہے جو عبد کے مفہوم میں پائی جاتی ہے۔ یہی سِرّ ہے کہ جیسے پہلی آیت میں مغفرت کا وعدہ بلکہ محبوب الٰہی بننے کی خوشخبری ہے گویا یہ آیت کہ قل یاعبادی دوسرے لفظوں میں اس طرح پر ہے کہ قل یا متبعی یعنی اے میری پیروی کرنے والو جو بکثرت گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہو۔ رحمتِ الٰہی سے نومید مت ہو کہ اللہ جلّ شانہٗ بہ برکت میری پیروی کے تمام گناہ بخش دے گا۔ اور اگر عباد سے صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہی مراد لئے جائیں تو معنے خراب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہرگز درست نہیں

کہ خدا تعالےٰ بغیر تحقق شرطِ ایمان اور بغیر تحقق شرطِ پیروی تمام مشرکوں اور کافروں کو یونہی بخش دیوے ایسے معنے تو نصوصِ بینہ قرآن سے صریح مخالف ہیں۔

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ ماحصل اس آیت کا یہ ہے کہ جو لوگ دل و جان سے تیرے یا رسول اللہ غلام بن جائیں گے ان کو وہ نورِ ایمان اور محبت اور عشق بخشا جائے گا کہ جو ان کو غیر اللہ سے رہائی دے گا۔ اور وہ گناہوں سے نجات پا جائیں گے اور اسی دُنیا میں ایک پاک زندگی ان کو عطا کی جائے گی اور نفسانی جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے وہ نکالے جائیں گے اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی یعنی میں وہ مُردوں کو اٹھانے والا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھائے جاتے ہیں۔ واضح ہو کہ قرآن کریم اس محاورہ سے بھرا پڑا ہے کہ دُنیا مر چکی تھی اور خدا تعالےٰ نے اپنے اس نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھیج کر نئے سرے سے دنیا کو زندہ کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے: اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتہا۔ یعنی اس بات کو سُن رکھو کہ زمین کو اس کے مَرنے کے بعد خدا تعالےٰ زندہ کرتا ہے۔ پھر اسی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں فرماتا ہے وایدھم بروح منہ یعنی ان کو روح القدس کے ساتھ مدد دی اور رُوح القدس کی مدد یہ ہے کہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور روحانی موت سے نجات بخشتا ہے۔ اور پاکیزہ قوتیں اور پاکیزہ حواس اور پاک علم عطا فرماتا ہے۔ اور علومِ یقینیہ اور براہینِ قطعیہ سے خدا تعالےٰ کے مقامِ قرب تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ اس کے مقرب وہی ہیں جو یقینی طور پر جانتے ہیں کہ وہ ہے اور یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اس کی قدرتیں اور اس کی رحمتیں اور اس کی عقوبتیں اور اس کی عدالتیں سب سچ ہے اور وہ جمیع فیوض کا مبداء اور تمام نظامِ عالم کا سرچشمہ اور تمام سلسلہ مؤثرات اور متاثرات کا علت العلل ہے۔ بلکہ متصرف بالا رادہ جس کے ہاتھ میں کُل ملکوت السمٰوات والارض ہے اور یہ علوم جو مدارِ نجات ہیں یقینی اور قطعی طور پر بجز اس حیات کے حاصل نہیں ہو

سکتے جو بتوسط روح القدس انسان کو ملتی ہے اور قرآن کریم کا بڑے زور شور سے یہ دعویٰ ہے کہ وہ حیاتِ روحانی صرف متابعت اس رسولِ کریمؐ سے ملتی ہے اور تمام وہ لوگ جو اس نبی کریمؐ کی متابعت سے سرکش ہیں وہ مُردے ہیں جن میں اس حیات کی رُوح نہیں ؛؛

اور حیاتِ روحانی سے مُراد انسان کے وہ علمی اور عملی قوایٰ ہیں جو رُوح القدس کی تائید سے زندہ ہوجاتے ہیں اور قرآنِ کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ جن احکام پر اللہ جلّ شانہٗ انسان کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ چھ سو ہیں ایسا ہی اس کے مقابل پر جبرائیل علیہ السلام کے پَر بھی چھ سو ہیں اور بیضۂ بشریت جب تک چھ سو حکم کو سر پر رکھ کر جبرائیلؑ کے پروں کے نیچے نہ آوے اس میں فنا فی اللہ ہونے کا بچّہ پیدا نہیں ہوتا اور انسانی حقیقت اپنے اندر چھ سو بیضہ کی استعداد رکھتی ہے۔ پس جس شخص کا چھ سو بیضۂ استعداد جبرائیلؑ کے چھ سو پر کے نیچے آگیا وہ انسانِ کامل اور یہ تولّد اس کا تولّدِ کامل اور یہ حیات حیاتِ کامل ہے۔ اور غور کی نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ بیضۂ بشریت کے روحانی بچے جو رُوح القدس کی معرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت کی برکت سے پیدا ہوئے وہ اپنی کمیّت اور کیفیّت اور صورت اور نوع اور حالت میں تمام انبیاء کے بچوّں سے اتم اور اکمل ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس یعنی تم سب اُمتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ درحقیقت جس قدر قرآنی تعلیم کے کمالات خاصہ ہیں وہ اس اُمتِ مرحومہ کے استعدادی کمالات پر شاہد ہیں کیونکہ اللہ جلشانہٗ کی کتابیں ہمیشہ اسی قدر نازل ہوتی ہیں جسقدر اس امت میں جو تعمیل کتاب کی مکلّف ہے استعداد ہوتی ہے۔ مثلاً انجیل کی نسبت تمام محققین کی یہ رائے ہے کہ اسکی تعلیم کامل نہیں ہے۔ اور وہ ایک ہی پہلو پر چلی جاتی ہے اور دوسرے پہلو کو بکلی چھوڑ رہی ہے۔ لیکن دراصل یہ قصور ان استعدادوں کا ہے۔ جن کے لئے انجیل نازل ہوئی تھی چونکہ خداتعالےٰ نے انسانی استعدادوں کو تدریجاً ترقی دی ہے اس لئے اوائل زمانوں میں اکثر ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے کہ جو غبی اور بلید

اور کم عقل اور کم فہم اور کم دل اور کم ہمت اور کم یقین اور پست خیال اور دنیا کے لالچوں میں پھنسے ہوئے تھے اور دماغی اور دلی قوتیں ان کی نہایت ہی کمزور تھیں مگر ان زمانوں کے بعد ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ زمانہ آیا جس میں رفتہ رفتہ استعدادیں ترقی کر گئیں۔ گویا دنیا نے اپنی فطرتی قوی میں ایک اور ہی صورت بدل لی۔ پس ان کی کامل استعدادوں کے موافق کامل تعلیم نے نزول فرمایا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۱۸۶-۱۹۰)

اتباعِ رسُولِ اکرم صلعم کی روحانی برکات

فرقانِ مجید باوجود ان تمام کمالاتِ بلاغت و فصاحت و احاطۂ حکمت و معرفت ایک روحانی تاثیر اپنی ذات بابرکات میں ایسی رکھتا ہے کہ اس کا سچا اتباع انسان کو مستقیم الحال اور منور الباطن اور منشرح الصدر اور مقبولِ الٰہی اور قابلِ خطاب حضرتِ عزت بنا دیتا ہے۔ اور اس میں وہ انوار پیدا کرتا ہے اور وہ فیوض غیبی اور تائیداتِ لاریبی اس کے شاملِ حال کر دیتا ہے۔ کہ جو اغیار میں ہرگز پائی نہیں جاتیں اور حضرت احدیت کی طرف سے وہ لذیذ اور دلآرام کلام اس پر نازل ہوتا ہے جس سے اس پر دمبدم کھلتا جاتا ہے کہ وہ فرقانِ مجید کی سچی متابعت سے اور حضرت نبی کریمؐ کی سچی پیروی سے اُن مقامات تک پہنچایا گیا ہے جو محبوبانِ الٰہی کے لئے خاص ہیں اور ان ربانی خوشنودیوں اور مہربانیوں سے بہرہ یاب ہو گیا ہے۔ جن سے وہ کامل ایماندار بہرہ یاب تھے جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں اور نہ صرف مقال کے طور پر بلکہ حال کے طور پر بھی اُن تمام محبتوں کا ایک صافی چشمہ اپنے پُرصدق دِل میں بہتا ہوا دیکھتا ہے اور ایک ایسی کیفیّت تعلق باللہ کی اپنے منشرح سینے میں مشاہدہ کرتا ہے جس کو نہ الفاظ کے ذریعے سے اور نہ کسی مثال کے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے۔ اور انوارِ الٰہی کو اپنے نفس پر بارش کی طرح برستے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ انوار کبھی اخبار غیبیہ کے رنگ میں اور کبھی علوم و معارف کی صورت میں اور کبھی اخلاقِ فاضلہ کے پیرائے میں اس پر اپنا پرتو ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ تاثیرات فرقانِ مجید کی سلسلہ وار چلی آتی ہیں اور جب سے کہ آفتاب صداقت ذات

بابرکات آنحضرت صلعم دنیا میں آیا۔ اسی دم سے آج تک ہزار ہا نفوس جو استعداد اور قابلیت رکھتے تھے متابعتِ کلامِ الٰہی اور اتباعِ رسول سے مدارجِ عالیہ مذکورہ بالا تک پہنچ چکے ہیں اور پہنچتے جاتے ہیں اور خدا تعالٰے اس قدر ان پر پے در پے اور علی الاتصال تلطفات و تفضلات وارد کرتا ہے اور اپنی حمائتیں اور عنائتیں دکھلاتا ہے کہ صافی نگاہوں کی نظر میں ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ بطورِ ان نظرِ احدیت سے ہیں جن پر لطفِ ربّانی کا ایک عظیم الشان سایہ اور فضلِ یزدانی کا ایک جلیل القدر پیرایہ ہے اور دیکھنے والوں کو صریح دکھائی دیتا ہے کہ وہ انعاماتِ خارقِ عادت سے سرفراز ہیں اور کراماتِ عجیب وغریب سے ممتاز ہیں اور محبوبیت کے عطر سے معطّر ہیں اور مقبولیت کے فخروں سے مفتخر ہیں اور قادرِ مطلق کا نور ان کی صحبت میں ان کی توجہ میں ان کی ہمت میں ان کی دعا میں ان کی نظر میں ان کے اخلاق میں ان کی طرزِ معیشت میں ان کی خوشنودی میں ان کے غضب میں ان کی رغبت میں ان کی نفرت میں انکی حرکت میں ان کے سکون میں ان کے نطق میں ان کی خاموشی میں ان کے ظاہر میں ان کے باطن میں ایسا بھرا ہوا ہوتا ہے کہ جیسے ایک لطیف اور مصفّا شیشہ ایک نہایت عمدہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور ان کے فیضِ صحبت اور ارتباط اور محبّت سے وہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں کہ جو ریاضتِ شاقہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں اور ان کی نسبت ارادت اور عقیدت پیدا کرنے سے ایمانی حالت ایک دوسرا رنگ پیدا کر لیتی ہے۔ اور نیک اخلاق کے ظاہر کرنے میں ایک طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور شوریدگی اور امارگی نفس کی رُو بہ کمی ہونے لگتی ہی اور اطمینان اور حلاوت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور بقدر استعداد اور مناسبت ذوقِ ایمانی جوش مارتا ہے اور اُنس اور شوق ظاہر ہوتا ہے اور التذاذ بذکر اللّٰہ بڑھتا ہے اور انکی صحبتِ طویلہ سے بضرورت یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی ایمانی قوتوں میں اور اخلاقی حالتوں میں اور انقطاع عن الدنیا میں اور توجہ الی اللّٰہ میں اور محبتِ الٰہیہ میں اور شفقت علی العباد میں اور وفا اور رضا اور استقامت میں اس عالی مرتبہ پر ہیں جس کی نظیر دنیا میں نہیں دیکھی گئی۔ اور عقلِ سلیم فی الفور معلوم کر لیتی ہے کہ وہ بند اور زنجیر ان کے پاؤں سے اتارے گئے ہیں جن میں دوسرے لوگ گرفتار ہیں اور وہ تنگی اور انقباض اُن کے

سینے سے دُور کیا گیا ہے۔ جس کے باعث سے دُوسرے لوگوں کے سینے منقبض اور کوفتہ خاطر ہیں ایسا ہی وہ لوگ تحدیث اور مکالمات حضرتِ احدیت سے بکثرت مشرّف ہوتے ہیں اور متواتر اور دائمی خطابات کے قابل ٹھہر جاتے ہیں اور حق جل و علا اور اس کے مستعد بندوں میں ارشاد اور ہدایت کے لئے واسطہ گردانے جاتے ہیں ان کی نورانیت دوسرے دلوں کو منوّر کر دیتی ہے اور جیسے موسمِ بہار کے آنے سے نباتی قوتیں جوش زن ہو جاتی ہیں ایسا ہی ان کے ظہور سے فطرتی نور طبائع سلیمہ میں جوش مارتے ہیں اور خود بخود ہر یک سعید کا دل یہی چاہتا ہے کہ اپنی سعادت مندی کی استعدادوں کو بجنبش تمام منصہ ظہور میں لاوے اور خوابِ غفلت کے پردوں سے خلاصی پاوے اور معصیت اور فسق و فجور کے داغوں سے اور جہالت اور بے خبری کی ظلمتوں سے نجات حاصل کرے۔ سو ان کے مبارک عہد میں کچھ ایسی خاصیت ہوتی ہے اور کچھ اس قسم کا انتشار نورانیت ہو جاتا ہے کہ ہر یک مومن اور طالبِ حق بقدرِ طاقت ایمانی اپنے نفس میں بغیر کسی ظاہری موجب کے انشراح اور شوقِ دینداری کا پاتا ہے۔ اور ہمت کو زیادت اور قوت میں دیکھتا ہے غرض ان کے اس عطرِ لطیف سے جو ان کو کامل متابعت کی برکت سے حاصل ہوا ہے ہر یک مخلص کو بقدر اپنے اخلاص کے حظ پہنچتا ہے ہاں جو لوگ شقی ازلی ہیں وہ اس سے کچھ حصّہ نہیں پاتے بلکہ اور بھی عناد اور حسد اور شقاوت میں بڑھ کر ہاویہ جہنم میں گرتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ختم اللہ علیٰ قلوبھم

(براہینِ احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۴۴۲-۴۴۴ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

آنحضرت صلعم کی اتباع کی دنیاوی برکات

دیکھو ایک غریب اور تنہا اور مسکین نے اپنے دین کے پھیلنے کے اور اپنے مذہب کی جڑھ پکڑنے کی اسوقت خبر دی کہ جب اس کے پاس بجز چند بے سامان درویشوں کے اور کچھ نہ تھا۔ ر

تمام مسلمان صرف اس قدر تھے کہ ایک چھوٹے سے حجرے میں سما سکتے تھے اور انگلیوں پر نام گنے جا سکتے تھے جن کو ایک گاؤں کے چند آدمی ہلاک کر سکتے تھے۔ جن کا مقابلہ ان لوگوں سے پڑا تھا کہ جو دنیا کے بادشاہ اور حکمران تھے اور جن کو ان قوموں کے ساتھ سامنا پیش آیا تھا کہ جو باوجود کروڑ ہا مخلوقات ہونے کے ان کے ہلاک کرنے اور نیست و نابود کرنے پر متفق تھے مگر اب دنیا کے کنارہ تک نظر ڈال کر دیکھو کہ کیونکر خدا نے انہیں ناتواں اور قدر قلیل لوگوں کو دنیا میں پھیلا دیا اور کیونکر ان کو طاقت اور دولت اور بادشاہت بخش دی اور کیوں کر ہزار ہا سال کی تخت نشینوں کے تاج و تخت ان کے سپرد کئے گئے۔ ایک دن وہ تھا کہ وہ جماعت اتنی بھی نہیں تھی کہ جس قدر ایک گھر کے آدمی ہوتے ہیں۔ اور اب وہی لوگ کئی کروڑ دنیا میں نظر آتے ہیں۔ خداوند نے کہا تھا کہ میں اپنے کلام کی آپ حفاظت کروں گا۔ اب دیکھو کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ وہی تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ اس کی کلام کے پہنچائی تھی وہ برابر اسی کی کلام میں محفوظ چلی آتی ہے۔ اور لاکھوں قرآن شریف کے حافظ ہیں کہ جو قدیم سے چلے آتے ہیں۔

خدا نے کہا تھا کہ میری کتاب کا کوئی شخص حکمت میں، معرفت میں۔ بلاغت میں فصاحت میں احاطۂ علومِ ربّانیہ میں، بیان دلائل و بینیہ میں مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ سو دیکھو کسی سے مقابلہ نہیں ہو سکا اور اگر کوئی اس سے منکر ہے۔ تو اب کر کے دکھلاوے۔ ۔ ۔ ۔ اور خدا نے کہا تھا کہ میں ارضِ شام کو عیسائیوں کے قبضے میں سے نکال کر مسلمانوں کو اس زمین کا وارث کروں گا۔ سو دیکھو اب تک مسلمان ہی اس زمین کے وارث ہیں اور یہ سب خبریں ایسی ہیں کہ جن کے ساتھ اقتدار اور قدرتِ الوہیت شامل ہے۔ یہ نہیں کہ نجومیوں کی طرح صرف ایسی ہی خبریں ہوں کہ زلزلے آویں گے۔ قحط پڑیں گے۔ قوم پر قوم چڑھائی کرے گی۔ وبا پھیلیں گی۔ مری پڑیگی وغیرہ وغیرہ

اور بہ تبعیت خدا کے کلام کی اور اسی کی تاثیر اور برکت سے وہ لوگ کہ جو قرآن شریف کا اتباع اختیار کرتے ہیں اور خدا کے رسولِ مقبول پر صدق دلی سے ایمان لاتے ہیں اور اس سے

محبت رکھتے ہیں اور اس کو تمام مخلوقات اور تمام نبیوں اور تمام رسولوں اور تمام مقدسوں اور تمام اُن چیزوں سے جو ظہور پذیر ہو چکی یا آئندہ ہوں بہتر اور پاک تر اور کامل تر اور انسب اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ وہ بھی اُن نعمتوں سے اب تک حصّہ پاتے ہیں اور جو شربت موسیٰ اور مسیح کو پلایا گیا وہی شربت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے نہایت لذّت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں۔ اسرائیلی نور ان میں روشن ہیں۔ نبی یعقوب کے پیغمبروں کی ان میں برکتیں ہیں سبحان اللہ، ثم سبحان اللہ۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کس شان کے نبی ہیں۔ اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے جس کے ناچیز خادم، جس کی ادنیٰ سے ادنیٰ امت جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں۔

(براہین احمدیہ سوم ص۲۴۳ تا ۲۴۶ حاشیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی روحانی کشش۔

انسان کی پیدائش میں دو قسم کے حُسن ہیں۔ ایک حسنِ معاملہ اور وہ یہ کہ انسان خدا تعالیٰ کی تمام امانتوں اور عہد کے ادا کرنے میں یہ رعایت رکھے کہ کوئی امر حتی الوسع ان کے متعلق فوت نہ ہو۔ دوسرا حسن انسان کی پیدائش میں حسنِ بُشرہ ہے . . . . . یہ حسن جو روحانی حسن ہے جس کو حسنِ معاملہ کے ساتھ موسوم کر سکتے ہیں یہ وہ حسن ہے جو اپنی قوی کششوں کے ساتھ حسنِ بشرہ سے بہت بڑھ کر ہے۔ کیونکہ حسنِ بشرہ صرف ایک یا دو شخص کے فانی عشق کا موجب ہو گا جو جلد زوال پذیر ہو جائے گا۔ اور اس کی کشش نہایت کمزور ہو گی لیکن وہ روحانی حسن جس کو حسنِ معاملہ سے موسوم کیا گیا ہے وہ اپنی کششوں میں ایسا سخت اور زبردست ہے کہ ایک دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اسکی طرف کھینچا جاتا ہے . . . . تجربہ اور خدا تعالےٰ کی پاک کتاب سے ثابت ہے کہ دنیا کے ہر ایک ذرّہ کو طبعاً

ایسے شخص کے ساتھ ایک عشق ہوتا ہے اور اس کی دعائیں ان تمام ذرات کو ایسا اپنی طرف کھینچتی ہیں جیسا کہ آہن ربا لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پس غیر معمولی باتیں جن کا ذکر کسی علم طبعی اور فلسفہ میں نہیں اس کشش کے باعث ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ کشش طبعی ہوتی ہے جب سے کہ صانع مطلق نے عالم اجسام کو ذرات سے ترکیب دی ہے۔ ہر ایک ذرے میں وہ کشش رکھی ہے اور ہر ایک ذرہ روحانی حسن کا عاشق صادق ہے۔ اور ایسا ہی ہر ایک سعید روح بھی کیونکہ وہ حسن تجلی گاہِ حق ہے۔

وہی حسن تھا جس کے لئے فرمایا گیا اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس اور اب بھی بہتیرے ابلیس ہیں جو اس حسن کو شناخت نہیں کرتے۔ مگر وہ حسن بڑے بڑے کام دکھلاتا رہا ہے۔ نوحؑ میں بھی وہی حسن تھا جس کی پاس خاطر حضرتِ عزت جلشانہٗ کو منظور ہوئی اور تمام منکروں کو پانی کے عذاب سے ہلاک کیا گیا پھر اس کے بعد موسیٰ بھی وہی حسنِ روحانی لے کر آیا جس نے چند روز تکلیفیں اٹھا کر آخر فرعون کا بیڑہ غرق کیا۔ پھر سب کے بعد سید الانبیاء خیر الوریٰ مولانا و سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم ایک عظیم الشان روحانی حسن لے کر آئے جس کی تعریف میں یہی آیت کریمہ کافی ہے۔ دنا فتدلّٰی ٥ فکان قاب قوسین او ادنیٰ ٥ یعنی وہ نبیؐ جناب الٰہی کے بہت نزدیک چلا گیا اور پھر مخلوق کی طرف جھکا اور اس طرح پر دونوں حقوں کو جو حق اللہ اور حق العباد ہے ادا کر دیا اور دونوں قسم کا حسن روحانی ظاہر کیا۔ اور دونوں قوسوں میں وتر کی طرح ہو گیا یعنی دونوں قوسوں میں جو ایک درمیانی خط کی طرح ہو اور اس طرح اس کا وجود واقع ہوا جیسے یہ



درمیانی خط آنحضرت صلعم

ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۶۱-۶۲

آنحضرتؐ کی قوی الاثر قوّتِ قدسیہ :۔

یہ بات کسی سمجھ دار پر مخفی نہیں ہو گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زاد بُوم ایک محدود جزیرہ نما ملک ہے۔ جس کو عرب کہتے ہیں جو دوسرے ملکوں سے ہمیشہ بے تعلق رہ کر گویا ایک گوشۂ تنہائی میں پڑا رہا ہے۔ اس ملک کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بے خبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بُت پرستی و دیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا اور عیاشی اور بدمستی اور شراب خوری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے طریقوں میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا اور چوری اور قزاقی اور خونریزی اور دختر کشی اور یتیموں کا مال کھا جانے اور بیگانہ حقوق دبا لینے کو کچھ گناہ نہ سمجھنا غرض ہر یک طرح کی بری حالت اور ہر یک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت و غفلت عام طور پر تمام عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہورہ ہے کہ کوئی متعصب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

اور پھر یہ امر بھی ہر ایک منصف پر ظاہر ہے کہ وہی جاہل اور وحشی اور ناپارسا طبع لوگ اسلام میں داخل ہونے اور قرآن کو قبول کرنے کے بعد کیسے ہو گئے اور کیونکر تاثیرات کلامِ الٰہی اور صحبتِ نبیؐ معصوم نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں کو یک لخت ایسا مبدّل کر دیا کہ وہ جہالت کے بعد معارفِ دینی سے مالا مال ہو گئے اور محبّتِ دنیا کے بعد الٰہی محبت میں ایسے کھوئے گئے کہ اپنے وطنوں اپنے مالوں اپنے عزیزوں اپنی عزتوں اپنی جان کے آراموں کو اللہ جلّ شانہٗ کے راضی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ دونوں سلسلے ان کی پہلی حالت اور اس نئی زندگی کے جو بعد اسلام انہیں نصیب ہوئے قرآن شریف میں ایسی صفائی سے درج ہیں کہ ایک صالح اور نیک دل آدمی پڑھنے کے وقت بے اختیار چشم پُر آب ہو جاتا ہے۔ پس وہ کیا چیز تھی جو ان کو اتنی جلدی ایک عالم

سے دوسرے عالم کی طرف کھینچ کرلے گئی۔ وہ دو ہی باتیں تھیں ایک یہ کہ وہ نبیؐ معصوم اپنی قوت قدسیہ میں نہایت ہی قوی الاثر تھا ایسا کہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ دوسری خدائے قادرِ مطلق حیّ و قیوم کے پاک کلام کی زبردست اور عجیب تاثیریں تھیں کہ جو ایک گروہِ کثیر کو ہزاروں ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں۔ بلاشبہ یہ قرآنی تاثیریں خارقِ عادت ہیں کیونکہ کوئی دنیا میں بطور نظیر نہیں بتلا سکتا کہ کبھی کسی کتاب نے ایسی عجیب تبدیلی و اصلاح کی جیسی قرآن شریف نے کی۔

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۸ تا ۳۰ حاشیہ)

ہم جب انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوت میں سے اعلیٰ درجہ کا جواں مرد نبیؐ اور زندہ نبیؐ اور خدا کا اعلیٰ درجہ کا پیارا نبیؐ صرف ایک مرد کو جانتے ہیں یعنی وہی نبیوں کا سردار، رسولوں کا فخر تمام مرسلوں کا سرتاج جس کا نام محمد مصطفےٰ واحمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے زیر سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے۔ جو پہلے اس سے ہزار برس تک نہیں مل سکتی تھی۔ وہ کیسی کتابیں ہیں جو ہمیں بھی اگر ہم ان کے تابع ہوں مردود اور مخذول اور سیاہ دل کرنا چاہتی ہیں۔ کیا ان کو زندہ نبوت کہنا چاہیئے جن کے سایہ سے ہم خود مردہ ہو جاتے ہیں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ سب مردے ہیں۔ کیا مردہ کو مردہ روشنی بخش سکتا ہے۔ یسوع کی پرستش کرنا صرف ایک بت کی پرستش کرنا ہے۔ . . . کوئی اس کو قبول کرے یا نہ کرے مگر یہی سچ ہے اور سچ میں برکت ہے۔ کہ آخر اس کی روشنی دنیا پر پڑتی ہے۔ تب دنیا کی تمام دیواریں چمک اٹھتی ہیں۔ مگر وہ جو تاریکی میں پڑے ہوں۔ سو آخری وصیت یہی ہے کہ ہر ایک روشنی ہم نے رسول نبی اُمّی کی پیروی سے پائی ہے۔ اور جو شخص پیروی کرے گا وہ بھی پائے گا اور ایسی قبولیت اس کو ملے گی کہ کوئی بات اس کے آگے انہونی نہیں رہے گی۔ زندہ خدا جو لوگوں سے پوشیدہ ہے اس کا خدا ہوگا اور جھوٹے خدا سب اس کے پیروں کے نیچے کچلے اور روندے جائیں گے۔ وہ ہر ایک جگہ مبارک ہوگا اور الٰہی قوتیں اس کے ساتھ ہوں گی۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ

الہدیٰ"

(سراجِ منیر صفحہ ۷۲-۷۳ ۸۰-۸۱)

حقیقی منجّی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

خُدا کی طرف سے سچّا نجات دہندہ وہ شخص ہے جس کی متابعت سے سچی نجات حاصل ہو یعنی خدا نے اس کے وعظ میں یہ برکت رکھی ہو کہ کامل پیرو اس کا ظلماتِ نفسانیہ اور ادناسِ بشریہ سے نجات پا جائے۔ اور اس میں وہ انوار پیدا ہو جائیں جن کا پاک دلوں میں پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ ہاں جب تک پیروی کنندہ کی متابعت میں کسر ہو تب تک ظلماتِ نفسانیہ دور نہیں ہونگے اور نہ انوارِ باطنیہ ظاہر ہوں گے لیکن یہ اُس نبی متبوع کا قصور نہیں بلکہ خود وہ مدعی اتباع کا اغراض صوری یا معنوی کی آفت میں گرفتار ہے اور اسی اعراض کی وجہ سے محروم و محجوب ہے۔ یہی حقیقی علامت ہے۔ جس سے انسان گذشتہ قصوں اور کہانیوں کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ خود طالب حق بن کر سچے ہادی اور حقیقی فیض رساں کو شناخت کر لیتا ہے۔ اور اس تقدّس اور نور کو کہ جو کامل اور فیض رساں ہی کی نسبت اعتقاد کیا گیا ہے نہ صرف اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ بلکہ اپنی استعداد کے موافق اس کا مزہ بھی چکھ لیتا ہے اور نجات کو نہ صرف خیالی طور پر ایک ایسا امر قرار دیتا ہے کہ جو قیامت میں ظاہر ہوگا بلکہ جہل اور ظلمت اور شک و شبہ اور نفسانی جذبات کے عذاب سے نجات پا کر اور آسمانی نوروں سے منوّر ہو کر اسی عالم میں حقیقتِ نجات کو پا لیتا ہے۔

اب جبکہ سچے نجات دہندہ کی یہی علامت ٹھہری اور یہی طالب حق کا مقصودِ اعظم ہے کہ جو اس کی زندگی کا اصل مقصد اور اس کے مذہب کے پکڑنے کی علّتِ غائی ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ علامت صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم میں پائی جاتی ہے اور انہیں کی اتباع سے کہ جو قرآن شریف کی اتباع پر منحصر ہے باطنی نور اور محبّتِ الٰہیہ حاصل ہوتی ہے۔ قرآن شریف جو

آنحضرت صلعم کی اتباع کا مدار علیہ ہے ایک ایسی کتاب ہے جس کی متابعت سے اسی جہان میں آثار نجات کے ظاہر ہو جاتے ہیں کیونکہ وہی کتاب ہے کہ جو دونوں طریق ظاہری اور باطنی کے ذریعہ سے نفوس ناقصہ کو مرتبہ تکمیل پہنچاتی ہے اور شکوک اور شبہات سے خلاصی بخشتی ہے۔

ظاہری طریق سے اس طرح پر کہ بیان اس کا ایسا جامع دقائق و حقائق ہے کہ جس قدر دنیا میں ایسے شبہات پائے جاتے ہیں کہ جو خدا تک پہنچنے سے روکتے ہیں جن میں مبتلا ہو کر صدہا جھوٹے فرقے پھیل رہے ہیں اور صدہا طرح کے خیالات باطلہ گمراہ لوگوں کے دلوں میں جم رہے ہیں سب کا ردّ معقولی طور پر اس میں موجود ہے۔ اور جو جو تعلیم حقہ اور کاملہ کی روشنی ظلمت موجودہ زمانہ کے لئے درکار ہے۔ وہ سب آفتاب کی طرح اس میں چمک رہی ہے اور تمام امراض نفسانی کا علاج اس میں مندرج ہے اور تمام معارف حقہ کا بیان اس میں بھرا ہوا ہے۔ اور کوئی دقیقہ علم الٰہی نہیں کہ جو آئندہ کسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے اور اس سے باہر رہ گیا ہو۔

اور باطنی طریق سے اس طور پر کہ اس کی کامل متابعت دل کو ایسا صاف کر دیتی ہے۔ کہ انسان اندرونی آلودگیوں سے بالکل پاک ہو کر حضرت اعلیٰ سے اتصال پکڑ لیتا ہے اور انوار قبولیت اس پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور عنایات الٰہیہ اس قدر اس پر احاطہ کر لیتی ہیں کہ جب وہ مشکلات کے وقت دعا کرتا ہے تو کمال رحمت اور عطوفت سے خداوند کریم اس کا جواب دیتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اگر وہ ہزار مرتبہ ہی اپنی مشکلات اور ہجوم غموں کے وقت میں سوال کرے تو ہزار ہا مرتبہ ہی اپنے مولیٰ کریم کی طرف سے نہایت فصیح اور لذیذ اور متبرک کلام میں محبت آمیز جواب پاتا ہے اور الہام الٰہی بارش کی طرح اس پر برستا ہے۔ اور وہ اپنے دل میں محبت الٰہیہ کو ایسا بھرا ہوا پاتا ہے جیسا ایک نہایت صاف شیشہ ایک لطیف عطر سے بھرا ہوتا ہے۔ اور انس اور شوق کی ایک ایسی پاک لذت اس کو عطا کی جاتی ہے کہ جو اس کے سخت سخت نفسانی زنجیروں کو توڑ کر اور اس دخانستان سے باہر نکال کر محبوب حقیقی کی ٹھنڈی اور

دلآرام ہوا سے اس کو ہر دم اور ہر لحظہ تازہ زندگی بخشتی رہتی ہے۔ پس وہ اپنی وفات سے پہلے ہی ان عنایات الٰہیہ کو بچشم خود دیکھ لیتا ہے جن کے دیکھنے کے لئے دوسرے لوگ بعد مرنے کے اُمیدیں باندھتے ہیں۔

اور یہ سب نعمتیں کسی راہبانہ محنت اور ریاضت پر موقوف نہیں بلکہ صرف قرآن شریف کے کامل اتباع سے دی جاتی ہیں اور ہر یک طالب صادق اُن کو پا سکتا ہے۔ ہاں اُن کے حصول میں خاتم الرسلؐ اور فخر الرسلؐ کی بدرجہ کامل محبت بھی شرط ہے۔ تب بعد محبت نبی اللہؐ کے انسان ان نوروں میں سے بقدر استعداد خود حصّہ پا لیتا ہے۔ جو کہ کامل طور پر نبی اللہؐ کو دی گئی ہیں۔

پس طالب حق کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں کہ وہ کسی صاحب بصیرت اور معرفت کے ذریعے سے خود اس دین متین میں داخل ہو کر اور اتباع کلام الٰہی اور محبت رسول مقبول اختیار کر کے ہمارے ان بیانات کی حقیقت کو بچشم خود دیکھ لے اور اگر وہ اس غرض کے حصول کے لئے ہماری طرف بصدق دل رجوع کرے تو ہم خدا کے فضل اور کرم پر بھروسہ کر کے اس کو طریق اتباع بتلانے کو تیار ہیں۔ پر خدا کا فضل اور استعداد ذاتی درکار ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۲۹۳-۳۰۱ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۲)

قرآن شریف سے آنحضرتؐ کی شفاعت کا ثبوت

قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بارہ میں مختلف مقامات میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے:۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم۔ کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے۔ اب دیکھو کہ یہ آیت کس قدر

صراحت سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا جس کے لوازم میں سے محبت اور تعظیم اور اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کا ضروری نتیجہ ہے کہ انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اگر کوئی گناہ کی زہر کھا چکا ہے تو محبت اور اطاعت اور پیروی کے تریاق سے اس زہر کا اثر جاتا رہتا ہے۔ اور جس طرح بذریعہ دوا مرض سے ایک انسان پاک ہو سکتا ہے ایسا ہی ایک شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح نور ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور تریاق زہر کا اثر زائل کرتا ہے اور آگ جلاتی ہے۔ ایسا ہی سچی اطاعت اور محبت کا اثر ہوتا ہے۔ دیکھو آگ کیوں کر ایک دم میں جلا دیتی ہے۔ پس اسی طرح پُرجوش نیکی جو محض خدا کا جلال ظاہر کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ وہ گناہ کا خس و خاشاک بھسم کرنے کے لئے آگ کا حکم رکھتی ہے۔

جب ایک انسان سچے دل سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اور آپؐ کی تمام عظمت اور بزرگی کو مان کر پورے صدق و صفا اور محبت اور اطاعت سے آپ کی پیروی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کامل اطاعت کی وجہ سے فنا کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ تب اس تعلق شدید کی وجہ سے جو آپؐ کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ وہ الٰہی نور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا ہے اس سے یہ شخص بھی حصہ لیتا ہے۔ تب چونکہ ظلمت اور نور کی باہم منافات ہے وہ ظلمت جو اس کے اندر ہے دور ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی حصہ ظلمت کا اس کے اندر باقی نہیں رہتا۔ اور پھر اس نور سے قوت پاکر اعلیٰ درجہ کی نیکیاں اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے ہر ایک عضو میں محبت الٰہی کا نور چمک اٹھتا ہے تب اندرونی ظلمت بکلی دور ہو جاتی ہے اور علمی رنگ سے بھی اس میں نور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور عملی رنگ سے بھی نور پیدا ہو جاتا ہے آخر ان نوروں کے اجتماع سے گناہ کی تاریکی اس کے دل سے کوچ کرتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نور اور تاریکی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ایمانی نور اور گناہ کی تاریکی بھی ایک جگہ جمع

نہیں ہو سکتے ۔

اور اگر ایسے شخص سے اتفاقاً کوئی گناہ ظہور میں نہیں آیا تو اُس کو اس اتباع سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آئندہ گناہ کی طاقت اس سے مسلوب ہو جاتی ہے اور نیکی کرنے کی طرف اس کو رغبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ آپ قرآن شریف میں فرماتا ہے: حبب الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان ۔ یعنی خدا نے تم پر پاک رُوح نازل کر کے ہر ایک نیکی تمہیں پیاری لگائی اور کفر اور فسق اور عصیان تمہاری نظر میں مکروہ کیا۔

لیکن اگر اس جگہ یہ سوال ہو کہ وہ نور جو بذریعہ نبی علیہ السلام کے پیروی کرنے والے کو ملتا ہے جس سے گناہ کے جذبات دور ہو جاتے ہیں وہ کیا چیز ہے؟ سو اس سوال کا یہ جواب ہے کہ وہ ایک پاک معرفت[1] ہے۔ جس کے ساتھ کوئی تاریکی شک وشبہ کی نہیں۔ اور وہ ایک پاک محبت[2] ہے جس کے ساتھ کوئی نفسانی غرض نہیں اور وہ ایک پاک لذت ہے جو تمام لذتوں سے بڑھ کر ہے۔ جس کے ساتھ کوئی کثافت نہیں اور وہ ایک زبردست کشش[4] ہے جس پر کوئی کشش غالب نہیں اور وہ ایک قوی الاثر تریاق[5] ہے جس سے تمام اندرونی زہریں دور ہوتی ہیں۔ یہ پانچ چیزیں ہیں جو نور کے طور پر روح القدس کے ساتھ سچی پیروی کرنے والے کے دل پر نازل ہوتی ہیں۔ پس ایسا دل نہ صرف گناہ سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے بلکہ طبعاً اُس سے متنفر بھی ہو جاتا ہے۔ ان پانچ چیزوں کی طاقت کا جدا جدا بیان تو بہت طول چاہتا ہے۔ مگر صرف پاک معرفت کی خاصیتوں کو کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ کیوں کر پاک معرفت گناہ سے روکتی ہے۔

(ریویو آف ریلیجنز اردو جلد اوّل ص۱۹۴-۱۹۶)

آنحضرت صلعم کی شفاعتِ اُخروی کا ثبوت

ان سب باتوں کے بعد ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آخرت کا شفیع وہ ثابت ہو سکتا ہے جس نے

دنیا میں شفاعت کا کوئی نمونہ دکھلایا ہو. سو اس معیار کو آگے رکھ کر جب ہم موسیٰؑ پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی شفیع ثابت ہوتا ہے. کیونکہ بارہا اس نے اترتا ہوا عذاب دعا سے ٹال دیا اس کی توریت گواہ ہے، اسی طرح جب ہم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کا شفیع ہونا اجلی بدیہیات معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپؐ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ آپؐ نے غریب صحابہ کو تخت پر بٹھا دیا اور آپؐ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ وہ لوگ باوجود اس کے کہ بت پرستی اور شرک میں نشوونما پایا تھا ایسے موحد ہو گئے جن کی نظیر کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔ اور پھر آپؐ کی شفاعت کا ہی اثر ہے کہ اب تک آپؐ کی پیروی کرنے والے خدا تعالیٰ کا سچا الہام پاتے ہیں۔ خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے. مگر مسیحؑ ابن مریم میں یہ تمام ثبوت کیوں کر اور کہاں سے مل سکتے ہیں، ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر اس سے بڑھ کر اور زبردست شہادت کیا ہو گی کہ ہم اس جنابؐ کے واسطے سے جو کچھ خدا سے پاتے ہیں ہمارے دشمن وہ نہیں پا سکتے۔

(ریویو آف ریلیجنز اردو حصہ اوّل ص۲۰۹)

اب شفیع صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔

نوع انسان کے لئے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم. سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے ؟ وہ جو یقین رکھتا ہے. کہ خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی

شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے ..... موسیٰؑ نے وہ متاع پائے جس کو قرونِ اولیٰ کھو چکے تھے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہ متاع پائے جس کو موسیٰؑ کا سلسلہ کھو چکا تھا۔ اب محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ کے قائم مقام ہے مگر شان میں ہزار ہا درجہ بڑھ کر

(کشتیٔ نوح صہ ۱۳)

جو نور آنحضرتؐ کو ملا وہ اور کسی کو نہیں ملا۔

وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا۔ یعنی انسانِ کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرّد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی وسماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا یعنی انسان کامل میں۔ جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سیّد و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سو وہ نور اس انسان کو دیا گیا اور حسبِ مراتب اس کے تمام ہم رنگوں کو بھی یعنی اُن لوگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے ہیں ... اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سیّد ہمارے مولیٰ ہمارے ہادی نبی امّی صادق مصدوق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم میں پائی جاتی تھی۔ جیسا کہ خود خدا تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہٗ وبذالك امرت وانا اوّل المسلمین۔ وان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہٖ۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفورٌ رحیمٌ۔ فقل اسلمت وجھی للہ۔ وامرت ان اسلم لرب العالمین

یعنی ان کو کہہ دے کہ میری نماز اور میری پرستش میں جدوجہد اور میری قربانیاں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے اور اس کی راہ میں ہے۔ وہی خدا جو تمام عالموں کا ربّ ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اِس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں اول المسلمین ہوں یعنی دنیا کی ابتداء سے اس کے اخیر تک میرے جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جو ایسا اعلیٰ درجہ کا فنافی اللہ ہو جو خدا تعالےٰ کی ساری امانتیں اس کو واپس دینے والا ہو۔

اِس آیت میں ان نادان موحدوں کا ردّ ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے دوسرے انبیاء پر فضیلت کلی ثابت نہیں اور ضعیف حدیثوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مجھ کو یونس بن متّی سے بھی زیادہ فضیلت دی جائے۔ یہ نادان نہیں سمجھتے کہ اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی وہ بطور انکسار اور تذلّل ہے جو ہمیشہ ہمارے سیّد صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی ہر ایک بات کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے۔ اگر کوئی صالح اپنے خط میں احقر عباد اللہ لکھے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ شخص درحقیقت تمام دنیا یہاں تک کہ بت پرستوں اور تمام فاسقوں سے بدتر ہے اور خود اقرار کرتا ہے کہ وہ احقر عباد اللہ ہے کس قدر نادانی اور شرارتِ نفس ہے۔

غور سے دیکھنا چاہیئے کہ جس حالت میں اللہ جلشانہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام اوّل المسلمین رکھتا ہے۔ اور تمام مطیعوں اور فرمانبرداروں کا سردار ٹھہراتا ہے اور سب سے پہلے امانت کو واپس دینے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو قرار دیتا ہے تو پھر کیا بعد اس کے کسی قرآن کریم کے ماننے والے کو گنجائش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان اعلیٰ میں کسی طرح کا جرح کر سکے۔ خدا تعالےٰ نے آیت موصوفہ بالا میں اسلام کے لئے کئی مراتب رکھ کر سب مدارج سے اعلیٰ درجہ وہی ٹھہرایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی فطرت کو عنایت

فرمایا۔ سبحان اللہ ما اعظم شانک یا رسول اللہ ۔

موسیٰؑ و عیسیٰؑ ہمہ خیلِ تواند جملہ دریں راہ طفیلِ تواند

پھر بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ، اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ ان کو کہہ دے کہ میری راہ جو ہے وہی راہ سیدھی ہے سو تم اس کی پیروی کرو اور اور راہوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں خدا تعالیٰ سے دور ڈال دیں گی ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میرے پیچھے پیچھے چلنا اختیار کرو۔ یعنی میرے طریق پر جو اسلام کی اعلیٰ حقیقت ہے۔ قدم مارو تب خدا تعالیٰ تم سے بھی پیار کرے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ ان کو کہہ دے کہ میری راہ یہ ہے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اپنا تمام وجود خدا تعالیٰ کو سونپ دوں اور اپنے تئیں رب العالمین کے لئے خالص کر لوں یعنی اس میں فنا ہو کر جیسا کہ وہ رب العالمین ہے میں خادم العالمین بنوں اور ہمہ تن اسی کا اور اسی کی راہ کا ہو جاؤں سو میں نے اپنا تمام وجود اور جو کچھ میرا تھا خدا تعالیٰ کا کر دیا ہے اب کچھ بھی میرا نہیں جو کچھ میرا ہے وہ سب اس کا ہے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۶۰-۱۶۵)

٭٭٭

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

کیوں کر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آسکتا کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزولِ جبرئیل ہے اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیئے۔ کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اسی کو کہتے ہیں۔ جس نے احکام و عقائدِ دین جبرائیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں لیکن وحیٔ نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔

(ازالۂ اوہام صفحہ ۵۳۴)

اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فسادِ عظیم کا موجب ہے۔ اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا۔ اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لوازم نبوت سے الگ کر کے اور محض ایک اُمتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۵۸۴)

اور ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرائیل علیہ السلام کی وحیٔ رسالت کے ساتھ زمین پر آمدورفت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو وہ محال ہوتا ہے۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۵۸۳)

وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائیگا

اور حدیثوں کے پڑھنے والوں نے یقیناً یہ بڑی بھاری غلطی کھائی ہے کہ صرف عیسیٰ یا ابنِ مریم کے لفظ کو دیکھ کر اس بات کو یقین کر لیا ہے کہ سچ مچ وہی ابنِ مریم آسمان سے نازل ہو جائے گا جو رسول اللہ تھا اور اس طرف خیال نہیں کیا کہ اس کا آنا گویا دینِ اسلام کا دنیا سے رخصت ہونا ہے ÷

(ازالہ اوہام ص ۵۸۶)

اکیسویں آیت یہ ہے :- مَا کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔ یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ پس اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دنیا میں آ نہیں سکتا کیونکہ مسیحؑ ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل حاصل کرے اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے

(ازالہ اوہام ص ۶۱۴)

قرآن کریم بعد خاتم النبیینؐ کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا ہو کیونکہ رسول کو علمِ دین بتوسطِ جبرائیلؑ ملتا ہے۔ اور باب نزولِ جبرائیلؑ بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آوے مگر سلسلۂ وحی رسالت نہ ہو ÷

(ازالہ اوہام ص ۷۶۱)

" اور اللہ تعالےٰ نے نبیوں کو ہمارے رسول کے ساتھ ختم کر دیا اور وحیٔ نبوت منقطع ہو گئی پھر مسیحؑ کس طرح آسکتا ہے۔ اور ہمارے رسول کے بعد تو کوئی نبی ہے ہی نہیں کیا وہ

نبوت سے معزول شدوں کی طرح نبوت سے علیحدہ ہو کر آئے گا۔

(عربی سے ترجمہ تحفہ بغداد صٓ)

"کیونکہ یہ بات اللہ عز و جل کے اس قول کے مخالف ہے جو آیت ذیل میں ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی ایک شخص کے باپ تو نہیں مگر اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ کیا نہیں جانتے کہ خدا رحیم و کریم نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی استثنا کے خاتم الانبیاءؑ قرار دیا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تفسیر یہ مذکور فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور طالبین حق کے لئے یہ بات واضح ہے کہ اگر ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کا جواز قبول کریں تو گویا ہم نے وحی نبوت کا دروازہ کھول دیا حالانکہ وہ بند ہو چکا تھا اور یہ امر خلاف مفروض ہے کہ مسلمانوں سے یہ بات مخفی نہیں اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس طرح کوئی نبی آ سکتا ہے۔ جب کہ ان کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبیوں کا خاتمہ کر دیا۔"

(حمامۃ البشریٰ صٓ۲ عربی حصہ)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمادیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور حدیث لا نبی بعدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت کریمہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔"

(حاشیہ کتاب البریہ صٓ۱۸۴)

"غرض قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کا نام خاتم النبیین رکھ کر اور حدیث میں خود آنحضرتؐ نے لا نبی بعدی فرما کر اس امر کا فیصلہ کر دیا تھا کہ کوئی نبی نبوت کے حقیقی معنوں کے رو سے آنحضرت صلعم کے بعد نہیں آ سکتا۔"

(حاشیہ کتاب البریہ صٓ۱۸۵)

میں قرآن اور احکام قرآنی کی خدمت اور آنحضرت صلعم کے پاک مذہب کی خدمت کیواسطے کمربستہ ہوں اور جان تک میں نے اپنی اسی راہ میں لگا دی ہے۔ اور میرا یقین کامل ہے۔ کہ قرآن کے سوا جو کامل اکمل اور مکمل کتاب ہے اور اس کی پوری اطاعت اور بغیر آنحضرت صلعم کی پیروی کے نجات ممکن ہی نہیں اور قرآن میں کمی بیشی کرنے والے اور آنحضرت صلعم کی اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتارنے والے کو کافر اور مرتد یقین کرتا ہوں۔

(الحکم ۱۰ر جون ۱۹۰۸ء)

بے نظیر نبی

" اوحِیَ اِلیّ ان الدین ھو الاسلام ان الرسول ھو المصطفیٰ السید الامام رسولٌ امیٌّ امین فکما ربّنا احدٌ یستحق العبادۃ وحدہٗ فکذالک رسولنا المطاع واحدٌ لا نبی بعدہ ولا شریک معہ وانہ خاتم النبیین۔"

(منن الرحمٰن صفحہ ۲۰)

میری طرف وحی کی گئی ہے کہ سچّا دین صرف اسلام ہے۔ اور سچے رسُول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سردار اور امام ہیں جو اُمّی اور امین ہیں۔ پس جیسے خدا تعالیٰ اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اسی طرح ہمارے مطاع رسولؐ بھی یکتا ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور وہ خاتم النبیین ہیں۔

خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے۔ اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا۔ بلکہ آپ کچھ بننا چاہتا ہے۔ مگر خدا اس شخص سے پیار کرتا ہے۔ جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت

خاتم الانبیاء سمجھتا ہے اور اس کے فیض کا اپنے تئیں محتاج جانتا ہے۔
(چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں کا مقصد

جہاد کے مسئلہ کی فلاسفی اور اس کی اصل حقیقت ایسا ایک پیچیدہ امر اور دقیق نکتہ ہے کہ جس کے نہ سمجھنے کے باعث سے اس زمانہ اور ایسا ہی درمیانی زمانہ کے لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائی ہیں اور ہمیں نہایت شرم زدہ ہو کر قبول کرنا پڑتا ہے کہ ان خطرناک غلطیوں کی وجہ سے اسلام کے مخالفوں کو موقع ملا کہ وہ اسلام جیسے پاک اور مقدس مذہب کو جو سراسر قانون قدرت کا آئینہ اور زندہ خدا کا جلال ظاہر کرنے والا ہے۔ مورد اعتراض ٹھہراتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ جہاد کا لفظ جُہد کے لفظ سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ہیں کوشش کرنا۔ اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوؤں میں جو لڑائی کو یُدّھ کہتے ہیں۔ دراصل یہ لفظ بھی جہاد کے لفظ کا ہی بگڑا ہوا ہے۔ چونکہ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے۔ اور تمام زبانیں اسی میں سے نکلی ہیں۔ اس لئے یُدّھ کا لفظ جو سنسکرت کی زبان کی زبان میں لڑائی پہ بولا جاتا ہے۔ دراصل جہد یا جہاد ہے۔ اور پھر جیم کو یا کے ساتھ بدل دیا گیا اور کچھ تصرف کر کے تشدید کے ساتھ بولا گیا۔

اب ہم اس سوال کا جواب لکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کو جہاد کی کیوں ضرورت پڑی اور جہاد کیا چیز ہے۔ سو واضح ہو کہ اسلام کو پیدا ہوتے ہی بڑی بڑی مشکلات کا سامنا پڑا تھا اور تمام قومیں اس کی دشمن ہو گئی تھیں جیسا کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ جب ایک نبی یا رسول خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے۔ اور اس کا فرقہ لوگوں کو ایک گروہ ہونہار اور راستباز اور باہمت اور ترقی کرنے والا دکھائی دیتا ہے۔ تو اس کی نسبت موجودہ قوموں اور فرقوں کے

دلوں میں ضرور ایک قسم کا بغض اور حسد پیدا ہو جایا کرتا ہے۔

بالخصوص ہر ایک مذہب کے علماء اور گدی نشین تو بہت ہی بغض ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس مرد خدا کے ظہور سے ان کی آمدنیوں اور وجاہتوں میں فرق آتا ہے۔ ان کے شاگرد اور مریدان کے دام سے باہر نکلنا شروع کرتے ہیں۔ کیونکہ تمام ایمانی اور اخلاقی اور علمی خوبیاں اس شخص میں پاتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا اہلِ عقل اور تمیز سمجھنے لگتے ہیں کہ جو عزت بخیال علمی شرف اور تقویٰ اور پرہیز گاری کے ان عالموں کو دی گئی تھی اب وہ اس کے مستحق نہیں رہے اور جو معزز خطاب ان کو دئے گئے تھے جیسے نجم الامۃ اور شمس الامۃ اور شیخ المشائخ وغیرہ اب وہ ان کے لئے موزوں نہیں رہے۔ سو ان وجوہ سے اہلِ عقل ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ایمانوں کو ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ ناچار ان نقصانوں کی وجہ سے علماء اور مشائخ کا فرقہ ہمیشہ نبیوں اور رسولوں سے حسد کرتا چلا آیا ہے۔ وجہ یہ کہ خدا کے نبیوں اور ماموروں کے وقت ان لوگوں کی سخت پردہ دری ہوتی ہے۔ کیونکہ دراصل وہ ناقص ہوتے ہیں اور بہت ہی کم حصّہ نور سے رکھتے ہیں۔ اور ان کی دشمنی خدا کے نبیوں اور راستبازوں سے محض نفسانی ہوتی ہے اور سراسر نفس کے تابع ہو کر ضرر رسانی کے منصوبے سوچتے ہیں بلکہ بسااوقات وہ اپنے دلوں میں محسوس بھی کرتے ہیں کہ وہ خدا کے ایک پاک دل بندہ کو ناحق ایذا پہنچا کر خدا کے غضب کے نیچے آ گئے ہیں اور ان کے اعمال بھی جو مخالف کارستانیوں کے لئے ہر وقت ان سے سرزد ہوتے رہتے ہیں ان کے دل کی قصوروار حالت کو ان پر ظاہر کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی حسد کی آگ کا تیز انجن عداوت کے گڑھوں کی طرف ان کو کھینچے لئے جاتا ہے۔ یہی اسباب تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وقت میں مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کے عالموں کو نہ محض حق کے قبول کرنے سے محروم رکھا بلکہ سخت عداوت پر آمادہ کر دیا۔ لہٰذا وہ اس فکر میں لگ گئے کہ کسی طرح اسلام کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیں اور چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے

تھے۔ اس لئے ان کے مخالفوں نے بباعث اُس تکبّر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دل اور دماغ میں جاگزین ہوتا ہے۔ جو اپنے تئیں دولت میں مال میں کثرتِ جماعت میں مرتبت میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال کرتے ہیں۔ اُسوقت کے مسلمانوں یعنی صحابہؓ سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودا زمین پر قائم ہو۔ بلکہ وہ ان راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور کوئی دقیقہ آزار رسانی کا اٹھا نہیں رکھا تھا اور ان کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اسی مذہب کے پیر جم جائیں اور پھر اُس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہو جائے۔ سو اسی خوف سے جو ان کے دلوں میں ایک رعبناک صورت میں بیٹھ گیا تھا۔ نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں ان سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی ان کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوعِ انسان کے فخر اُن شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔ اس پر بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ ان برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا اِن کے خونوں سے کوچے سرخ ہو گئے پر انہوں نے دم نہ مارا وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدّس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بےشمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا۔ مگر اُس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی۔ اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور انہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا۔ تب اُس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گزر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اُس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اس نے اپنی پاک کلام

قرآن مجید کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور میں خدائے قادر ہوں۔ ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا۔ اور اس حکم کی اصل عبارت جو قرآن شریف میں اب تک موجود ہے یہ ہے:۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللّٰہ علی نصرھم لقدیرن الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق

یعنی خدا نے ان مظلوم لوگوں کی جو قتل کئے جاتے ہیں اور ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے۔ فریاد سن لی۔ اور ان کو مقابلہ کی اجازت دی گئی اور خدا قادر ہے جو مظلوم کی مدد کرے۔" (الجزو نمبر ۱۷ سورۃ الحج)

(رسالہ جہاد ص۱ تا ۳)

اسلامی جہاد پر اعتراض کا جواب

بعض ناسمجھ جو اسلام پر جہاد کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب لوگ جبراً تلوار سے مسلمان کئے گئے تھے۔ افسوس ہزار افسوس کہ وہ اپنی بے انصافی اور حق پوشی میں حد سے گزر گئے ہیں۔ ہائے افسوس ان کو کیا ہو گیا کہ وہ عمداً صحیح واقعات سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم عرب کے ملک میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے ظہور فرما نہیں ہوئے تھے تا یہ گمان کیا جاتا کہ چونکہ وہ بادشاہی جبروت اور شوکت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس لئے لوگ جان بچانے کے لئے ان کے جھنڈے کے نیچے آ گئے تھے۔ پس سوال تو یہ ہے کہ جب کہ آپؐ کے لئے اپنی غریبی اور مسکینی اور تنہائی کی حالت میں خدا کی توحید اور نبوت کے بارے میں منادی شروع کی تھی تو اس وقت کس تلوار کے خوف سے لوگ آپؐ پر ایمان لے آئے تھے۔ اور اگر ایمان نہیں لائے تھے تو پھر جبر کرنے کے لئے کس بادشاہ سے

لشکر مانگا گیا تھا اور مدد طلب کی گئی تھی۔ اے حق کے طالبو!! تم یقیناً سمجھو کہ یہ سب باتیں ان لوگوں کی افترا ہیں جو اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی ایک یتیم لڑکا تھا۔ جس کا باپ پیدائش سے چند دن پہلے ہی فوت ہو گیا اور ماں صرف چند سال کا بچہ چھوڑ کر مر گئی تھی۔ تب وہ بچہ جس کے ساتھ خدا کا ہاتھ تھا بغیر کسی کے سہارے کے خدا کی پناہ میں پرورش پاتا رہا اور اس مصیبت اور یتیمی کے ایام میں بعض لوگوں کی بکریاں بھی چرائیں۔ اور بجز خدا کے کوئی متکفل نہ تھا اور پچیس برس تک بھی پہنچ کر کسی چچا نے بھی آپؐ کو اپنی لڑکی نہ دی۔ کیونکہ جیسا کہ بظاہر نظر آتا تھا آپؐ اس لائق نہ تھے کہ خانہ داری کے اخراجات کے متحمل ہو سکیں۔ اور نیز محض امی تھے اور کوئی حرفہ اور پیشہ نہیں جانتے تھے۔ پھر جب آپ چالیس برس کے سن تک پہنچے تو یک دفعہ آپؐ کا دل خدا کی طرف کھینچا گیا۔ ایک غار مکہ سے چند میل کے فاصلہ پہ ہے جس کا نام حرا ہے۔ آپؐ اکیلے وہاں جاتے اور غار کے اندر چھپ جاتے اور اپنے خدا کو یاد کرتے ایک دن اس غار میں آپ پوشیدہ طور پر عبادت کر رہے تھے تب خدا تعالیٰ آپؐ پر ظاہر ہوا اور آپؐ کو حکم ہوا کہ دنیا نے خدا کی راہ کو چھوڑ دیا ہے اور زمین گناہ سے آلودہ ہو گئی ہے اس لئے میں تجھے اپنا رسول کر کے بھیجتا ہوں۔ اب تو اور لوگوں کو تنبیہہ کر کہ وہ عذاب سے پہلے خدا کی طرف رجوع کریں۔ اس حکم کے سننے سے آپ ڈرے کہ میں ایک اُمّی یعنی ناخواندہ آدمی ہوں اور عرض کیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ تب خدا نے آپؐ کے سینہ میں تمام روحانی علوم بھر دیے۔ اور آپؐ کے دل کو روشن کیا تھا۔ آپؐ کی قوت قدسیہ کی تاثیر سے غریب اور عاجز لوگ آپ کے حلقۂ اطاعت میں آنے شروع ہو گئے اور جو بڑے بڑے آدمی تھے انہوں نے دشمنی پر کمر باندھ لی یہاں تک کہ آخر کار آپ کو قتل کرنا چاہا اور کئی مرد اور عورتیں بڑے عذاب کیساتھ قتل کر دیئے گئے۔ اور آخری حملہ یہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے آپکے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ مگر جس کو خدا بچائے اس کو کون مارے۔ خدا نے آپؐ کو اپنی وحی سے اطلاع دی

کہ آپؐ اس شہر سے نکل جاؤ۔ اور میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں گا۔ پس آپؐ شہر مکہ سے ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر نکل آئے اور تین رات تک غارِ ثور میں چھپے رہے دشمنوں نے تعاقب کیا۔ اور ایک سراغ رساں کو لے کر غار تک پہنچے اس شخص نے غار تک قدم کا نشان پہونچا دیا اور کہا کہ اس غار میں تلاش کرو اس کے آگے قدم نہیں اور اگر اس کے آگے گیا ہے۔ تو پھر آسمان پر چڑھ گیا ہوگا مگر خدا کی قدرت کے عجائبات کی کون حد لبست کر سکتا ہے۔ خُدا نے ایک ہی رات میں یہ قدرت نمائی کی کہ عنکبوت نے اپنی جالی سے غار کا تمام منہ بند کر دیا اور ایک کبوتری نے غار کے منہ پر گھونسلہ بنا کر انڈے دے دیئے اور جب سراغ رساں نے لوگوں کو غار کے اندر جانے کی ترغیب دی تو ایک بوڑھا آدمی بولا کہ یہ سراغ رساں تو پاگل ہو گیا ہے میں اس جالی کو غار کے منہ پر اس زمانہ سے دیکھ رہا ہوں جب محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ اس بات کو سن کر سب لوگ منتشر ہو گئے اور غار کا خیال چھوڑ دیا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پوشیدہ طور پر مدینہ پہنچے اور مدینہ کے اکثر لوگوں نے آپؐ کو قبول کر لیا۔ اس پہ مکّہ والوں کا غضب بھڑکا اور افسوس کیا کہ ہمارا شکار ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اور پھر کیا تھا دن رات انہی منصوبوں میں لگے کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو قتل کر دیں اور کچھ تھوڑا اگر وہ مکہ والوں کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لایا تھا وہ بھی مکہ سے ہجرت کر کے مختلف ممالک کیطرف چلے گئے بعض نے حبشہ کے بادشاہ کی پناہ لے لی تھی۔ بعض مکہ ہی میں رہے۔ کیونکہ وہ سفر کرنے کے لئے زادِ راہ نہیں رکھتے تھے اور وہ بہت دُکھ دیئے گئے۔ قرآن شریف میں ان کا ذکر ہے کیونکہ وہ دن رات فریاد کرتے تھے۔ اور جب کفار قریش کا حد سے زیادہ ظلم بڑھ گیا اور انہوں نے غریب عورتوں اور یتیم بچوں کو قتل کرنا شروع کیا اور بعض عورتوں کو ایسی بے دردی سے مارا کہ ان کی دونوں ٹانگیں دو رسّوں سے باندھ کر دو اونٹوں کے ساتھ وہ رسّے خوب جکڑ دیئے

اور پھر ان اونٹوں کو دو مختلف جہات میں دوڑایا اور اس طرح پر وہ عورتیں دو ٹکڑے ہو کر مر گئیں جب بے رحم کافروں کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا خدا نے جو آخر اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے۔ اپنے رسول پر اپنی وحی نازل کی کہ مظلوموں کی فریاد میرے تک پہنچ گئی۔ آج میں اجازت دیتا ہوں کہ تم بھی ان کا مقابلہ کرو اور یاد رکھو کہ جو لوگ بے گناہ لوگوں پر تلوار اٹھاتے ہیں وہ تلوار سے ہی ہلاک کئے جائیں گے۔ مگر تم کوئی زیادتی مت کرو کہ خدا زیادتی کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا۔

یہ ہے حقیقت اسلام کے جہاد کی جس کو نہایت ظلم سے بُرے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے بے شک خدا حلیم ہے مگر جب کسی قوم کی شرارت حد سے گزر جاتی ہے تو وہ ظالم کو بے سزا نہیں چھوڑتا اور آپ ان کے لئے تباہی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ہمارے مخالفوں نے کہاں سے اور کس سے سن لیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ خدا تو قرآن شریف میں فرماتا ہے: لا اکراہ فی الدین یعنی دینِ اسلام میں جبر نہیں تو پھر کس نے جبر کا حکم دیا اور جبر کے کون سے سامان تھے اور کیا وہ لوگ جو جبر سے مسلمان کئے جاتے ہیں ان کا یہی صدق اور یہی ایمان ہوتا ہے کہ بغیر کسی تنخواہ پانے کے باوجود دو تین سو آدمی ہونے کے ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کریں اور جب ہزار تک پہنچ جائیں تو کئی لاکھ دشمن کو شکست دیدیں اور دین کو دشمن کے حملہ سے بچانے کے لئے بھیڑوں بکریوں کی طرح سر کٹا دیں۔ اور اسلام کی سچائی پر اپنے خون سے مہریں کر دیں اور خدا کی توحید کے پھیلانے کے لئے ایسے عاشق ہوں کہ درویشانہ طور پر سختی اٹھا کر افریقہ کے ریگستان تک پہنچیں اور اس ملک میں اسلام کو پھیلا دیں پھر ہر یک قسم کی صعوبت اٹھا کر چین تک پہنچیں۔ نہ جنگ کے طور پر بلکہ محض درویشانہ طور پر اور اس ملک میں پہنچ کر دعوتِ اسلام کریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ان کے بابرکت وعظ سے کئی کروڑ مسلمان اس زمین میں پیدا ہو جائیں اور پھر

ٹاٹ پوش درویشوں کے رنگ میں ہندوستان میں آئیں۔ اور بہت سے حصہ آریہ ورت کو اسلام سے مشرف کر دیں اور یورپ کی حدود تک لا الٰہ الا اللہ کی آواز پہنچا دیں تم ایسا نا کہو کہ کیا یہ کام ان لوگوں کا ہے جو جبراً مسلمان کئے جاتے ہیں۔ جس کا دل کافر اور زبان مومن ہوتی ہے۔ نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کے کام ہیں جن کے دل نورِ ایمان سے بھر جاتے ہیں اور جن کے دلوں میں خدا ہی خدا ہوتا ہے۔ (پیغام صُلح صہ ۱۹ تا ۲۲)

معجزات

معجزہ کی حقیقت

معجزہ عاداتِ الٰہیہ میں سے ایک ایسی عادت ہے یا یوں کہو کہ اس قادرِ مطلق کے افعال میں سے ایک ایسا فعل ہے جس کو اضافی طور پر خارقِ عادت کہنا چاہیئے۔ پس امرِ خارق عادت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جو پاک نفس لوگ عام طریق و طرزِ انسانی سے ترقی کر کے اور معمولی عادات کو پھاڑ کر قربِ الٰہی کے میدانوں میں آگے قدم رکھتے ہیں تو خدائے تعالیٰ حسب حالت ان کے ایک ایسا عجیب معاملہ ان سے کرتا ہے کہ وہ تمام حالات انسانی پر خیال کرنے کے بعد ایک امرِ خارق عادت دکھائی دیتا ہے اور جس قدر انسان اپنی بشریت کے وطن کو چھوڑ کر اور اپنے نفس کے حجابوں کو پھاڑ کر عرصات عشق و محبت میں دور تر چلا جاتا ہے۔ اسی قدر یہ خوارق نہایت صاف اور شفاف اور روشن نمایاں ظہور میں آتے ہیں۔ جب تزکیہ نفس انسانی کمال تام کی حالت پر پہنچتا ہے اور اس کا دِل غیر اللہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور محبت الٰہی سے بھر جاتا ہے تو اس کے تمام اقوال و افعال و اعمال و حرکات و سکنات و عبادات و معاملات و اخلاق جو انتہائی درجہ پر اس سے صادر ہوتے ہیں وہ سب خارقِ عادت ہی ہو جاتے ہیں

سو بمقابل اس کے ایسا ہی معاملہ باری تعالےٰ کا بھی اس مبدّل تام سے بطور خارق عادت ہوتا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۵-۱۶ حاشیہ)

معجزہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ معجزہ ایسے امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ فریق مخالف اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز آجائے۔ خواہ وہ امر بظاہر نظر انسانی طاقتوں کے اندر ہی معلوم ہو جیسا کہ قرآن شریف کا معجزہ جو ملک عرب کے تمام باشندوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا پس وہ اگرچہ بنظر سرسری انسانی طاقتوں کے اندر معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی نظیر پیش کرنے سے عرب کے تمام باشندے عاجز آگئے۔ پس معجزہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے قرآن شریف کا کلام نہایت روشن مثال ہے کہ بظاہر وہ بھی ایک کلام ہے جیسا کہ انسان کا کلام ہوتا ہے لیکن وہ اپنی فصیح تقریر کے لحاظ سے اور نہایت لذیذ اور مصفّٰی اور رنگین عبارت کے لحاظ سے جو ہر جگہ حق اور حکمت کی پابندی کا التزام رکھتی ہے۔ اور نیز روشن دلائل کے لحاظ سے جو تمام دُنیا کے مخالفانہ دلائل پر غالب آگئیں اور نیز زبردست پیشگوئیوں کے لحاظ سے ایک ایسا لاجواب معجزہ ہے جو باوجود گزرنے تیرہ سو سال کے اب تک کوئی مخالف اسکا مقابلہ نہیں کر سکا۔ اور نہ کسی کو طاقت ہے جو کرے۔ قرآن شریف کو تمام دنیا کی کتابوں سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ معجزانہ پیشگوئیوں کو بھی معجزانہ عبارات میں جو اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور فصاحت سے پُر اور حق اور حکمت سے بھری ہوئی ہیں بیان فرماتا ہے۔ غرض اصل اور بھاری مقصد معجزہ سے حق اور باطل یا صادق اور کاذب میں ایک امتیاز دکھلانا ہے اور ایسے امتیازی امر کا نام معجزہ یا دوسرے لفظوں میں نشان ہے۔ نشان ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اس کے بغیر خدا تعالےٰ کے وجود پر بھی پورا یقین کرنا ممکن نہیں اور نہ وہ ثمرہ حاصل ہونا ممکن ہے۔ جو پورے یقین سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مذہب کی اصل سچائی خدا تعالےٰ کی ہستی کی شناخت

سے وابستہ ہے۔ سچے مذہب کے ضروری اور اہم لوازم میں سے یہ امر ہے کہ اس میں ایسے نشان پائے جائیں جو خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قطعی اور یقینی دلالت کریں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۴۶-۴۷)

اس جگہ اس بات کا جواب دینا بھی مناسب ہے کہ اگر سب امور قوانین ازلیہ ابدیہ میں داخل ہیں یعنی پہلے ہی سے بندھے ہوئے چلے آتے ہیں تو پھر معجزات کیا شئے ہیں؟ سو جاننا چاہیئے کہ بے شک یہ تو سچ ہے کہ قوانین ازلیہ ابدیہ سے یا یوں کہو کہ خدائے تعالیٰ کے ازلی ارادہ اور اس کے قضاء قدر سے کوئی چیز باہر نہیں گو ہم اس پر اطلاع پاویں یا نہ پاویں جف القلم بما ھو کائن مگر اسی عادت الٰہیہ نے جو دوسرے لفظوں میں قانون قدرت سے موسوم ہو سکتی ہے بعض چیزوں نے ظہور کو بعض کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے۔ پس جو امور ازلی ابدی ارادہ نے مقدسوں کی دعاؤں اور ان کی برکات انفاس اور ان کی توجہ اور ان کی عقد ہمت اور ان کے اقبال ایام سے وابستہ کر رکھے ہیں اور ان کے تضرعات اور ابتہالات پر مترتب کی جاتی ہیں۔ وہ امور جب انہی شرائط اور انہی وسائل سے ظہور میں آتے ہیں تب ان امور کو اس خاص حالت میں معجزہ یا کرامت یا نشان یا خارق عادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس جگہ خارق عادت کے لفظ سے اس شبہ میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ کونسا امر ہے جو عادت الٰہیہ سے باہر ہے کیونکہ اس محل میں خارق عادت کے قول سے ایک مفہوم اضافی مراد ہے۔ یعنی یوں تو عادت ازلیہ ابدیہ خدائے کریم جل شانہٗ سے کوئی چیز باہر نہیں مگر اس کی عادات جو بنی آدم سے تعلق رکھتی ہیں دو طور کی ہیں۔ ایک عادات عامہ جو رو پوش اسباب ہو کر سب پر مؤثر ہوتی ہیں۔ دوسری عادات خاصہ جو بتوسط اسباب اور بلا توسط اسباب خاص اُن لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں جو اس کی محبت اور رضا میں کھوئی جاتی ہیں۔ یعنی جب انسان بکلی خدا تعالیٰ کی طرف انقطاع کر کے

اپنی عاداتِ بشریہ کو استیصفاءِ حق کے لئے تبدیل کر دیتا ہے تو خدائے تعالےٰ اس کی اس حالتِ مبدّلہ کے موافق اس کے ساتھ ایک خاص معاملہ کرتا ہے جو دوسروں سے نہیں کرتا یہ خاص معاملہ نسبتی طور پر گویا خارقِ عادت ہے جس کی حقیقت انہی پر کھلتی ہے جو عنایت الٰہی سے اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ جب انسان پر اپنی بشری عادتوں کو جو اس میں اور اس کے ربّ میں حائل ہیں شوقِ توصلِ الٰہی میں توڑتا ہے تو خدائے تعالےٰ بھی اپنی تمام عادتوں کو اس کے لئے توڑ دیتا ہے یہ توڑنا بھی عاداتِ ازلیہ میں سے ہے۔ کوئی امر مستحدث نہیں ہے جو موردِ اعتراض ہو سکے۔ گویا قدیم قانون حضرت احدیت جلّشانہٗ اسی طور پر چلا آتا ہے کہ جیسے جیسے انسان کا بھروسہ خدائے تعالےٰ پر بڑھتا ہے ایسا ہی اس کی طرف سے الوہیت کی قدرتوں کے چمکارہ اور اس کی کریں زیادہ سے زیادہ اس پر پڑتی ہیں اور جیسے جیسے اس طرف سے ایک پاک اور کامل تعلق ہوتا جاتا ہے۔ ایسا ہی اس طرف سے بھی کامل اور طیّب برکتیں ظاہر و باطن پر اترتی ہیں اور جیسی جیسی محبتِ الٰہی کی موجیں عاشق صادق کے دل سے اٹھتی ہیں ایسا ہی اس طرف سے بھی ایک نہایت صاف اور شفاف دریائے محبت کا زور شور سے چھوٹتا ہے۔ اور دائرہ کی طرح اس کو اپنے اندر گھیر لیتا ہے۔ اور اپنے الٰہی زور سے کھینچ کر کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے اور جیسا یہ امر صاف صاف ہے ویسا ہی ہمارے نیچر کے مطابق بھی ہے۔ ہم تم بھی جیسے جیسے دوستی اور محبت اور اخلاص میں بڑھتے ہیں تو اس دوطرفہ صفائی محبت کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے۔ کہ دونوں طرف سے آثارِ خلوص و اتحاد و یگانگت کے ظاہر ہوں نہ صرف ایک طرف سے ہو۔ ہر یک دوست اپنے دوست کے ساتھ عوام الناس کی نسبت معاملہ خارقِ عادت رکھتا ہے۔ جب انسان اپنی پہلی زندگی کی نسبت ایک ایسی نئی زندگی حاصل کرتا ہے جس کو نسبتی طور پر خارقِ عادت کہہ سکتے ہیں تو اسی دم سے وہی قدیم خدا اپنی تجلیاتِ نادرہ کے رُو سے ایک نیا خدا اس کے لئے ہو جاتا

رہے اور وہ عادتیں اس کے ساتھ ظہور میں لاتا ہے جو پہلی زندگی کی حالت میں کبھی خیال میں بھی نہیں آتی تھیں۔ خوارق کی کل جس سے عجائبات قدرتیہ حرکت میں آتی ہیں۔ انسان کی تبدیلی یافتہ روح ہے اور وہ بھی سچی تبدیلی یہاں تک آثار نمایاں دکھاتی ہے کہ بعض اوقات ایک ایسے طور سے شور محبت دل پر استیلاء پکڑتا ہے کہ عشق الٰہی کے پر زور جذبات اور صدق اور یقین کی سخت کششیں ایسے مقام پر انسان کو پہنچا دیتی ہیں کہ اس عجیب حالت میں اگر وہ آگ میں ڈالا جائے تو آگ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ اگر وہ شیروں اور بھیڑیوں اور ریچھ کے آگے پھینک دیا جائے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ وہ صدق اور عشق کے کامل اور قوی تجلیات سے بشریت کے خواص کو پھاڑ کر کچھ اور ہو جاتا ہے اور جس طرح لوہے کے ظاہر و باطن پر آگ مستولی ہو کر اس کو اپنے رنگ میں لے آتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی آتش محبتِ الٰہی کے ایک سخت استیلاء سے کچھ کچھ اس طاقت عظمیٰ کے خواص ظاہر کرنے لگتا ہے جو اس پر محیط ہو گئی ہے۔ سو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ عبودیت پر ربوبیت کا کامل اثر پڑنے سے اس سے ایسے خوارق ظاہر ہوں بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ ایسے اثر کے بعد بھی عبودیت کی معمولی حالت میں کچھ فرق پیدا نہ ہو کیونکہ اگر لوہا آگ میں تپانے سے کسی قدر خاصہ آگ کا ظاہر کرنے لگے تو یہ امر سراسر مطابق قانونِ قدرت ہے لیکن اگر سخت تپانے کے بعد بھی اسی پہلی حالت پر رہے اور کوئی خاصیت جدید اس میں پیدا نہ ہو تو یہ عند العقل صریح باطل ہے۔ سو فلاسفی تجارب بھی ان خوارق کے ضروری ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔ یہ افسانہ نہیں اس پر عارفانہ روح لے کر غور کرو۔ (سرمہ چشم آریہ صفحہ ۴۴-۴۶)

معجزہ کی غرض

یاد رہے کہ معجزہ صرف حق اور باطل میں فرق دکھلانے کے لئے اہلِ حق کو دیا جاتا ہے اور معجزہ کی اصل غرض صرف اسقدر ہے کہ عقلمندوں اور منصفوں کے نزدیک سچے اور

جھوٹے میں ایک مابہ الامتیاز قائم ہوجائے اوراسی حدتک معجزہ ظاہر ہونا ہے کہ جو مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لئے کافی ہو اور یہ اندازہ ہر ایک زمانہ کی حاجت کے مناسب حال ہوتا ہے اور نیز نوعیت معجزہ بھی حسب حال زمانہ ہی ہوتی ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ ہر ایک متعصب اور جاہل اور بدطبع گو کیسا ہی مصلحت الٰہیہ کے برخلاف اور قدر ضرورت بڑھ کر کوئی معجزہ مانگے تو وہ بہرحال دکھلانا ہی پڑے یہ طریق جیسا کہ حکمت الٰہیہ کے برخلاف ہے۔ ایسا ہی انسان کی ایمانی حالت کو بھی مضر ہے۔ کیونکہ اگر معجزات کا حلقہ ایسا وسیع کر دیا جائے کہ جو کچھ قیامت کے وقت پر موقوف رکھا گیا ہے وہ سب دنیا میں ہی بذریعہ معجزہ ظاہر ہو سکے تو پھر قیامت اور دنیا میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ حالانکہ اسی فرق کی وجہ سے جن اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ کا جو دنیا میں اختیار کئے جائیں ثواب ملتا ہے۔ وہی عقائد اور اعمال اگر قیامت کو استعمال کئے جائیں تو ایک رتی بھی ثواب نہیں ملے گا۔ جیسا کہ تمام نبیوں کی کتابوں اور قرآن شریف میں بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی بات کا قبول کرنا یا کوئی عمل کرنا نفع نہیں دے گا اور اسوقت ایمان لانا محض بیکار ہوگا۔ کیونکہ ایمان اسی حد تک ایمان کہلاتا ہے جبکہ کسی مخفی بات کو ماننا پڑے۔ لیکن جب کہ پردہ ہی کھل گیا اور روحانی عالم کا دن چڑھ گیا اور ایسے امور قطعی طور پر ظاہر ہو گئے کہ خدا پر اور روزِ جزا پر شک کرنے کی کوئی بھی وجہ نہ رہی تو پھر کسی بات کو اس وقت ماننا جس کو دوسرے لفظوں میں ایمان کہتے ہیں محض تحصیل حاصل ہوگا۔

غرض نشان اس درجہ پر کھلی کھلی چیز نہیں ہے جس کے ماننے کے لئے تمام دنیا بغیر اختلاف اور بغیر عذر اور بغیر چون چرا کے مجبور ہو جائے اور کسی طبیعت کے انسان کو اس کے نشان ہونے میں کلام نہ رہے اور کسی غبی سے غبی انسان پر بھی وہ امر مشتبہ نہ رہے۔

غرض نشان اور معجزہ ہر ایک طبیعت کے لئے ایک بدیہی امر نہیں جو دیکھتے ہی ضروری التسلیم ہو بلکہ نشانوں سے وہی عقلمند اور منصف اور راست باز اور راست طبع فائدہ اٹھاتے ہیں۔

جو اپنی فراست اور دوربینی اور باریک نظر اور انصاف پسندی اور خدا ترسی اور تقویٰ شعاری سے دیکھ لیتے ہیں کہ وہ ایسے امور ہیں جو دنیا کی معمولی باتوں میں سے نہیں ہیں اور نہ ایک کاذب ان کے دکھلانے پر قادر ہو سکتا ہے اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ امور انسانی بناوٹ سے بہت دور ہیں اور بشری دسترس سے برتر ہیں اور ان میں ایک ایسی خصوصیت اور امتیازی علامت ہے جس پر انسان کی معمولی طاقتیں اور پُر تکلف منصوبے قدرت نہیں پا سکتے اور وہ اپنے لطیف فہم اور نورِ فراست سے اس تہہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ ان کے اندر ایک نور ہے اور خدا کے ہاتھ کی ایک خوشبو ہے جس پر مکر اور فریب یا کسی چالاکی کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح سورج کی روشنی پر یقین لانے کے لئے صرف وہ روشنی ہی کافی نہیں بلکہ آنکھ کے نور کی بھی ضرورت ہے تا اس روشنی کو دیکھ سکے۔ اسی طرح معجزہ کی روشنی پر یقین لانے کے لئے فقط معجزہ ہی کافی نہیں ہے بلکہ نور فراست کی بھی ضرورت ہے اور جب تک معجزہ دیکھنے والے کی سرشت میں فراست صحیحہ اور عقلِ سلیم کی روشنی نہ ہو تب تک اس کا قبول کرنا غیر ممکن ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۳۴-۳۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قسم کے معجزات

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان اور معجزات دو قسم کے ہیں ایک وہ جو آنجناب ؐ کے ہاتھ سے یا آپؐ کے قول یا آپؐ کے فعل یا آپؐ کی دُعا سے ظہور میں آئے اور ایسے معجزات شمار کی رو سے قریب تین ہزار کے ہیں اور دوسرے وہ معجزات ہیں جو آنجنابؐ کی اُمت کے ذریعے سے ہمیشہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور ایسے نشانوں کی لاکھوں تک نوبت پہنچ گئی ہے اور ایسی کوئی صدی بھی نہیں گزری جس میں ایسے نشان ظہور میں نہ آئے ہوں۔ چنانچہ اس زمانہ میں اس عاجز کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ یہ نشان دکھلا رہا ہے۔ ان تمام نشانوں

سے جن کا سلسلہ کسی زمانہ میں منقطع نہیں ہوتا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا نبی اور سب سے زیادہ پیارا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ دوسرے نبیوں کی امتیں ایک تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں اور صرف گزشتہ قصے اور کہانیاں ان کے پاس ہیں۔ مگر یہ امت ہمیشہ خدا تعالیٰ سے تازہ بتازہ نشان پاتی ہے۔ لہٰذا اس امت میں اکثر عارف ایسے پائے جاتے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ پر اس درجہ کا یقین رکھتے ہیں کہ گویا اس کو دیکھتے ہیں اور دوسری قوموں کو خدا تعالیٰ کی نسبت یہ یقین نصیب نہیں۔ لہٰذا ہماری روح سے یہ گواہی نکلتی ہے کہ سچا اور صحیح مذہب صرف اسلام ہے۔ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کچھ نہیں دیکھا۔ اگر قرآن شریف گواہی نہ دیتا تو ہمارے لئے اور ہر ایک محقق کیلئے ممکن نہ تھا کہ ان کو سچا نبی سمجھتا۔ کیونکہ جب کسی مذہب میں صرف قصے اور کہانیاں رہ جاتی ہیں تو اس مذہب کے بانی یا مقتدا کی سچائی صرف ان قصوں پر نظر کر کے تحقیقی طور پر ثابت نہیں ہو سکتی۔ وجہ یہ کہ صدہا برس کے گزشتہ قصے کذب کا بھی احتمال رکھتے ہیں بلکہ زیادہ تر احتمال یہی ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں جھوٹ زیادہ ہے پھر کیوں کر دلی یقین ہے کہ ان قصوں کو واقعات صحیحہ مان لیا جائے لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات صرف قصوں کے رنگ میں نہیں ہیں بلکہ ہم آنحضرت صلعم کی پیروی کر کے خود ان نشانوں کو پا لیتے ہیں۔ لہٰذا معاینہ اور مشاہدہ کی برکت سے ہم حق الیقین تک پہنچ جاتے ہیں۔ سو اس کامل اور مقدس نبی کی کس قدر شان بزرگ ہے جس کی نبوت ہمیشہ طالبوں کو تازہ ثبوت دکھلاتی رہتی ہے۔ اور ہم متواتر نشانوں کی برکت سے اس کمال سے مراتب عالیہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ کو ہم آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ پس مذہب اسے کہتے ہیں اور سچا نبی اس کا نام ہے جس کی سچائی کی ہمیشہ تازہ بہار نظر آئے۔ محض قصوں پر جن میں ہزار دل طرح کی کمی بیشی کا امکان ہے بھروسہ کر لینا عقلمندوں کا کام نہیں۔ دنیا میں صدہا لوگ خدا بنائے گئے اور صدہا پُرانے افسانوں کے ذریعہ سے کرامات کر کے مانے جاتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے

کہ سچا کراماتی وہی ہے جس کی کرامات کا دریا کبھی خشک نہ ہو۔ سو وہ شخص ہمارے سیّد مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہر ایک زمانہ میں اِس کامل اور مقدس کے نشان دکھلانے کے لئے کسی نہ کسی کو بھیجا ہے۔ (کتاب البریہ صفحہ ۱۲۷-۱۲۹ حاشیہ)

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقتداری معجزات

اس درجہ لقا میں بعض اوقات انسان سے ایسے امور صادر ہوتے ہیں کہ جو بشریت کی طاقتوں سے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور الٰہی طاقت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں جیسے ہمارے سید المولیٰ سید الرسل حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ایک سنگریزوں کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دُعا کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت دکھائی اور مخالف کی فوج پر ایسا خارقِ عادت اس کا اثر پڑا کہ کوئی ان میں سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پہنچا ہو اور وہ سب اندھوں کی طرح ہو گئے اور ایسی سراسیمگی اور پریشانی ان میں پیدا ہو گئی کہ مدہوشوں کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اسی معجزہ کی طرف اللہ جلشانہٗ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمٰی ط یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا وہ تو نے نہیں پھینکا بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکا۔ یعنی درپردہ الٰہی طاقت کام کر گئی۔ انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا اور ایسا ہی دوسرا معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا جو شق القمر ہے اسی الٰہی طاقت سے ظہور میں آیا تھا کوئی دعا اس کے ساتھ شامل نہ تھی کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو الٰہی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع میں آگیا تھا اور اس قسم کے اور بھی بہت سے معجزات ہیں جو صرف ذاتی اقتدار کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلائے جن کے ساتھ کوئی دعا نہ تھی۔ کئی دفعہ تھوڑے سے پانی کو جو صرف ایک پیالہ میں تھا اپنی انگلیوں کو اس پانی کے اندر داخل کرنے سے اس قدر زیادہ کر دیا کہ تمام لشکر اور اونٹوں اور گھوڑوں نے وہ پانی پیا اور پھر بھی وہ پانی ویسا ہی اپنی مقدار پر موجود تھا اور کئی دفعہ دو چار روٹیوں پر ہاتھ رکھنے سے

ہزار ہا بھوکوں پیاسوں کا ان سے شکم سیر کر دیا اور بعض اوقات تھوڑے دودھ کو اپنے لبوں سے برکت دے کر ایک جماعت کا پیٹ اس سے بھر دیا اور بعض اوقات شور آب کنوئیں میں اپنے منہ کا لعاب ڈال کر اس کو نہایت شیریں کر دیا اور بعض اوقات سخت مجروحوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر ان کو اچھا کر دیا اور بعض اوقات آنکھوں کو جن کے ڈیلے لڑائی کے کسی صدمہ سے باہر جا پڑے تھے اپنے ہاتھ کی برکت سے پھر درست کر دیا۔ ایسا ہی اور بھی بہت سے کام اپنے ذاتی اقتدار سے کئے جن کے ساتھ ایک چھپی ہوئی طاقتِ الٰہی مخلوط تھی۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۵-۶۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی معجزہ

انجیل یوحنا ۱۱ باب ۲ آیت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قول یہ لکھا ہے کہ قیامت اور زندگی میں ہی ہوں جو مجھ پر ایمان لاوے اگرچہ وہ مرگیا ہو تو بھی جیئے گا یعنی گناہ اور نافرمانی اور غفلت اور کفر کی موت سے نجات پاکر اطاعتِ الٰہی کی روحانی زندگی حاصل کریگا انجیل کے اس فقرہ پر ایڈیٹر نور افشاں نے اپنے پرچہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۹۲ء میں کم فہمی کی راہ سے لکھا ہے کہ آدم سے تا ایندم کوئی شخص دنیا کی تواریخ میں ایسا نہیں ہوا جس نے ایسا بھاری دعوٰی کیا ہو اور اپنے حق میں ایسے لفظ استعمال کئے ہوں کہ قیامت اور زندگی میں ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا کہتا تو اس کے مطابق ثابت کر دینا غیر ممکن ہوتا لیکن خداوند مسیح نے جیسا دعوٰی اپنے حق میں کیا ویسا ہی اسکو ثابت بھی کر دکھلایا۔ فقط

ایڈیٹر صاحب کا یہ مقولہ جس قدر راستی اور صداقت سے دور ہے۔ کسی حقیقت شناس پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ واقعی امر یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام ایسا دعوٰی کرتے کہ زندگی اور قیامت میں ہوں تو چونکہ وہ سچے نبی تھے اس لئے ضرور تھا کہ اس دعوٰی کی سچائی ظاہر ہوتی

اور حضرت مسیحؑ کی زندگی میں اور بعد ان کے روحانی حیاتِ دنیا میں بذریعہ ان کے پھیل جانی ۔۔۔ حضرت مسیحؑ کی نسبت یہ گمان کرنا کہ انہوں نے روحانی مردوں کے زندہ کرنے میں قیامت کا نمونہ دکھلایا سراسر خیالِ محال اور دعوائے بے دلیل ہے بلکہ یہ قیامت کا نمونہ روحانی حیات کے بخشنے میں اس ذات کامل الصفات نے دکھلایا جس کا نام نامی محمدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ سارا قرآن اوّل سے آخر تک یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ رسولؐ اس وقت بھیجا گیا تھا کہ جب تمام قومیں دنیا کی رُوح میں مرچکی تھیں اور فسادِ روحانی نے برّ و بحر کو ہلاک کر دیا تھا تب اس رسولؐ نے آکر نئے سرے سے دنیا کو زندہ کیا اور زمین پر توحید کا دریا جاری کر دیا اگر کوئی منصف فکر کرے کہ جزیرہ عرب کے لوگ اوّل کیا تھے اور پھر اس رسولؐ کی پیروی کے بعد کیا ہو گئے اور کیسی ان کی وحشیانہ حالت اعلیٰ درجہ کی انسانیت تک پہنچ گئی اور کس صدق و صفا سے انہوں نے اپنے ایمان کو اپنے خونوں کے بہانے سے اور اپنی جانوں کے فدا کرنے اور اپنے عزیزوں کو چھوڑنے اور اپنے مالوں اور عزتوں اور آراموں کو خدا تعالیٰ کے راہ میں لگانے سے ثابت کر دکھلایا تو بلاشبہ ان کی ثابت قدمی اور ان کا صدق اپنے پیارے رسول کی راہ میں، ان کی جانفشانی ایک اعلیٰ درجہ کی کرامت کے رنگ میں اس کو نظر آئے گی وہ پاک نظر ان کے وجودوں پر کچھ ایسا کام کر گئی کہ وہ اپنے آپ سے کھوئے گئے اور انہوں نے فنا فی اللہ ہو کر صدق اور راستبازی کے وہ کام دکھلائے جس کی نظیر کسی قوم میں ملنا مشکل ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے عقائد کے طور پر حاصل کیا تھا وہ یہ تعلیم نہ تھی کہ کسی عاجز انسان کو خدا مانا جائے یا خدا تعالیٰ کو بچوں کا محتاج ٹھہرایا جائے بلکہ انہوں نے حقیقی خدا کو جو ذوالجلال جو ہمیشہ سے غیر متبدل اور حیّ و قیوم اور ابن اور باپ ہونے کی حاجات سے منزّہ اور موت اور پیدائش سے پاک ہے بذریعہ اپنے رسولِ کریم کے شناخت کر لیا تھا اور وہ لوگ سچ مچ موت کے گڑھے سے نکل کر پاک حیات کے بلند مینار پر کھڑے ہو گئے تھے اور ہر یک نے ایک تازہ زندگی پالی تھی اور اپنے ایمانوں میں ستاروں کی طرح چمک اٹھے تھے

سو درحقیقت ایک ہی کامل انسان دنیا میں آیا جس نے ایسے اتم اور اکمل طور پر یہ روحانی قیامت دکھلائی اور ایک زمانہ دراز کے مردوں اور ہزار دں برسوں کے عظم رمیم کو زندہ کر دکھلایا۔ اس کے آنے سے قبریں کھل گئیں اور بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑگئی اور اس نے ثابت کر دکھلایا کہ وہی حاشر اور وہی روحانی قیامت ہے جس کے قدموں پر ایک عالم قبروں میں سے نکل آیا اور بشارت ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا۔ تمام جزیرہ عرب پر اثر انداز ہو گئی اور پھر اس قیامت کا نمونہ صحابہ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس خداوند نادر قدیر نے جس نے ہر قوم اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے اس بشیر و نذیر کو مبعوث کیا تھا ہمیشہ کے لئے جاودانی برکتیں اس کے سچے تابعداروں میں رکھ دیں اور وعدہ کیا کہ وہ نور اور وہ روح القدس جو اس کامل انسان کے صحابہؓ کو دیا گیا تھا آنے والے متبعین اور صادق الاخلاص لوگوں کو بھی ملے گا جیسا کہ اس نے فرمایا

ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین وآخرین منھم لما یلحقوابھم وھوالعزیز الحکیم۔ یعنی وہ رحیم خدا وہ خدا ہے جس نے اُمیّوں میں انہیں میں سے ایک رسُول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے۔ اگرچہ وہ پہلے اس سے صریح گمراہ تھے اور ایسا ہی وہ رسُولؐ جو ان کی تربیت کر رہا ہے۔ ایک دوسرے گروہ کی بھی تربیت کرے گا۔ جو انہیں میں سے ہو جائیں گے اور انہیں کے کمالات پیدا کرلیں گے۔ مگر ابھی وہ ان سے ملے نہیں اور خدا غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۰۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں

مبدأ اور معاد کی خبریں خواہ وہ زید دے اور خواہ بکر بیان کرے کسی دوسرے کامل ذریعہ سے تصدیق کی محتاج ہیں۔ سو وہ ذریعہ خدا کے پاک نبیوں کی وہ پیشگوئیاں ہیں جو دنیا میں آفتاب کی

طرح ظاہر ہو کر اپنا صدق دکھلا دیتی ہیں مثلاً آنحضرت صلعم کا مکّہ معظمہ میں اس گمنامی کے زمانہ میں اسلام کے عروج اور شوکت اور ترقی کی خبر دینا جب کہ آپؐ مکہ معظمہ کی گلیوں اور کوچوں میں محض تنہا پھرتے تھے اور کوئی آثار کامیابی کے نمایاں نہ تھے۔ محض تنہا پھرتے تھے اور آپؐ کا ایسے زمانہ میں اپنے عالمگیر اقبال کی پیشگوئی کرنا جب کہ یہ رائے ظاہر کرنا بھی ہنسی کے لائق سمجھا جاتا تھا کہ ایسا بے کس اور گمنام شخص بھی بادشاہی کے درجہ تک پہنچے گا اور اس کا آسمانی تاج و تخت زمین پر بھی اپنا زبردست اور فوق العادت کرشمہ دکھائے گا۔ بلاشبہ ایسی خبریں انسانی طاقت سے باہر ہیں اور پھر وہ خبریں ایسی صفائی سے پوری ہوگئیں کہ جیسے دن چڑھ جاتا ہے۔ پس ان کا پورا ہونا صاف طور پر یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بلاشبہ ایک صادق کے لئے خدا کی گواہی ہے۔

ایسا ہی قرآن شریف بہت سی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے۔ جیسا کہ روم اور ایران کی سلطنت کی نسبت ایک زبردست پیشگوئی قرآن شریف میں موجود ہے اور یہ اسوقت کی پیشگوئی ہے جب کہ مجوسی سلطنت نے ایک لڑائی میں رومی سلطنت پر فتح پائی تھی اور کچھ زمین ان کے ملک کی اپنے قبضہ میں کر لی تھی۔ تب مشرکین مکہ نے فارسیوں کی فتح اپنے لئے ایک نیک فال سمجھی تھی اور اس سے یہ سمجھا تھا کہ چونکہ فارسی سلطنت مخلوق پرستی میں ہمارے شریک ہے ایسا ہی ہم بھی اس نبیؐ کا استیصال کریں گے جس کی شریعت اہل کتاب سے مشابہت رکھتی ہے۔ تب خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں یہ پیشگوئی نازل فرمائی۔ کہ آخر کار رومی سلطنت کی فتح ہوگی اور چونکہ روم کی فتح کی نسبت یہ پیشگوئی ہے اس لئے اس سورۃ کا نام سورۃ الروم رکھا گیا ہے اور چونکہ عرب کے مشرکوں نے مجوسیوں کی سلطنت کی فتح کو اپنی فتح کے لئے ایک نشان سمجھ لیا تھا اس لئے خدا تعالےٰ نے اس پیشگوئی میں یہ بھی فرما دیا کہ جس روز پھر روم کی فتح ہوگی اس روز مسلمان بھی مشرکوں پر فتحیاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اس بارہ میں قرآن شریف کی آیت یہ ہے۔

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ فِیْ بِضْعِ

سنین ۵ للّٰہ الامر من قبل ومن بعد ط ویومئذٍ یفرح المومنون ۵

(ترجمہ) میں خدا ہوں جو سب سے بہتر جانتا ہوں۔ رومی سلطنت بہت قریب زمین میں مغلوب ہوگئی ہے اور وہ لوگ پھر نو سال تک تین سال کے بعد مجوسی سلطنت پر غالب ہو جائیں گے۔ اس دن مومنوں کے لئے بھی ایک خوشی کا دن ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تین سال کے بعد نو سال کے اندر پھر رومی سلطنت ایرانی سلطنت پر غالب آگئی اور اسی دن مسلمانوں نے بھی مشرکوں پر فتح پائی کیونکہ وہ دن بدر کی لڑائی کا دن تھا جس میں اہل اسلام کو فتح ہوئی تھی۔

(چشمہ معرفت صفحہ ۳۰۴ - ۳۰۶)

جس قدر ہم نے آنحضرت صلعم کے معجزات قرآن شریف سے لکھے ہیں انہی پر حصر نہیں ہے۔ بلکہ احادیث صحیحہ اور اخبار اسلامیہ کی رو سے اس تواتر سے بارش کی طرح معجزات آنحضرت صلعم کا ثبوت ملتا ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی نبی یا رسول کے معجزات مروی نہیں ہیں۔ بعض پیشگوئیاں ایسی ہیں کہ جن کتابوں میں وہ لکھی گئی تھیں وہ کتابیں ان پیشگوئیوں سے صدہا برس پہلے عموماً تمام اسلامی دنیا میں شائع ہو چکی تھیں۔ اگر ہم اس جگہ ان معجزات کی تفصیل لکھیں تو وہ تمام معجزات بیس جزو میں بھی سما نہیں سکتے اور تفصیل کی حاجت نہیں۔ کیونکہ وہ کتابیں نہ صرف مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں بلکہ اسی پرانے زمانہ میں بعض اتفاقات حسنہ سے وہ کتابیں عیسائیوں کو مل گئی تھیں جو اب تک یورپ کے پرانے کتب خانوں میں موجود ہیں تا وہ بھی ان معجزات کے گواہ ہو جاویں۔

(چشمہ معرفت صفحہ ۳۰۸ ، ۳۰۹)

دُعا کا اثر

یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باذنہٖ تعالےٰ وہ دعا عالم سفلی

اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے۔ جو طرف موید مطلوب ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابتِ دعا ہی ہے۔ اور جس قدر ہزار دل معجزات انبیاءؑ سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فنا فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔

اللھم صل وسلم وبارك عليه وآله بعدد همه وغمه وحزنه لهذه الامة وانزل عليه انوار رحمتك الى الابد

(برکات الدعا صـ۵)

—— (٭٭٭) ——